ڈیرٹ گنگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۹۳

پرانا ہوا

اشتیاق احمد

دو باتیں

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ
میں ایک ناول لکھ کر اس کے
بارے میں اپنی رائے قائم کرتا ہوں
پھر اپنی رائے آپ کی آراء سے ملا کر دیکھتا ہوں۔ نتیجہ پچانوے
فیصد رہتا ہے۔ یعنی میری رائے سے آپ کی آرا پچانوے
فیصد متفق ہوتی ہیں، لیکن یہ ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک
ناول میں نے اپنے خیال میں بالکل پھسپھسا لکھا۔
آپ نے اسے بہترین قرار دیا۔ یا ایک ناول میں نے اپنے
خیال میں شاہکار قسم کا لکھا اور آپ نے اسے بالکل بکواس،
بور اور پھسپھسا قرار دیا، گویا بعض اوقات میرے اندازے
دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ یہ
انسپکٹر جمشید کے اندازے نہیں ہوتے۔

اس بار بھی میں نے ایک رائے قائم کی ہے، لیکن
میں آپ کو اس وقت نہیں بتاؤں گا۔ ہاں آپ کے
خطوط موصول ہونے کے بعد آئندہ ناولوں کی دو باتیں
میں ضرور ذکر کروں گا۔ دیکھیں تو سہی، نتیجہ اس بار کیا
رہتا ہے۔

اشتیاق احمد

حدیث شریف

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حسد صرف دو آدمیوں سے جائز ہے،

(۱) جسے اللہ نے مال دیا پھر اسے راہ حق میں لٹانے کی توفیق بخشی۔

(۲) جسے اللہ نے دین کی حکمت عطا فرمائی اور وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو سکھاتا پڑھاتا ہے۔

تشریح:

یہاں حسد رشک کے معنوں میں ہے، یعنی ایسے دو آدمیوں سے رشک کیا جا سکتا ہے، بلکہ رشک کرنا چاہیے۔ جو مال اللہ کے راستے میں خرچ کرے اور جو دین کے مطابق فیصلے کرے اور دین لوگوں کو سکھائے۔

دعوتوں کا دن

خان رحمان کے دروازے کی گھنٹی بجی۔ ظہور چونک اٹھا۔ اس نے فوراً اپنی بیوی سلمیٰ کو آواز دی:

"بیگم، ذرا دیکھنا، دروازے پر کون ہے۔"

"میں ہانڈی بھون رہی ہوں۔ آپ کیوں نہیں دیکھتے۔ یوں بھی دروازے پر جا کر ملاقاتی سے بات کرنا میرا کام نہیں۔"

"ہم، میں، میں استری کر رہا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں دروازہ کھولنے کے چکر میں خان صاحب کا سوٹ نہ جلا بیٹھوں۔ تم تو جانتی ہی ہو بیگم، ان دنوں انہوں نے سزا بہت سخت کر دی ہے۔ پہلے صرف کان پکڑنے پڑتے تھے، اب ڈنڈ بھی پلواتے ہیں۔ ویسے اگر میری بجائے تم سزا جھیلنے کے لیے تیار ہو تو میں استری سوٹ پر ہی چھوڑ کر جانے کے لیے تیار ہوں۔"

"اُف، اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ آپ استری کو سٹینڈ پر ہی کیوں نہیں رکھ دیتے۔" سلمیٰ نے جھنجھلا کر کہا۔

"وہ، پہلے کیوں نہیں بتایا تھا، احمق کہیں کی" ظہور نے جھنجلا کر کہا اور استری کو سٹینڈ پر رکھا ہی تھا کہ گھنٹی ایک بار پھر بجی اور ظہور نے دوڑ لگا دی — سلمیٰ کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں اس کا عقل مند شوہر استری کپڑوں پر ہی تو نہیں چھوڑ گیا۔ گھبراہٹ میں دروازے کی طرف بڑھی تو پاؤں پھسل گیا — سنبھلنے کے چکر میں ہاتھ پریشر ککر کے دستے سے ٹکرا گیا — وہ الٹ گیا اور بھنا ہوا مرغ فرش پر آ رہا — اس کے چھینٹے بیگم سلمیٰ کے منہ پر نقش و نگار بنا گئے — ان نقش و نگار کے نیچے شدت کی جلن تو ضرور محسوس ہوئی، لیکن ہانڈی کے گرنے کا خیال طبیعت پر چھا گیا — برآمدے میں نکل کر دیکھا تو استری درست جگہ رکھی تھی اور اس کی ہانڈی گر کر خراب ہو چکی تھی — سر پکڑ کر بیٹھ گئی اور ظہور کا انتظار کرنے لگی — ادھر ظہور دروازے پر پہنچا۔ اس نے دروازہ کھولا اور پھر دھک سے رہ گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں — منہ کھلا رہ گیا — اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اس نے انہیں زور زور سے ملا، پھر کھول کر دیکھا، لیکن کوئی فرق نظر نہ آیا — ایک بار پھر یہی کیا اور آخر واپس مڑا — دوڑتے ہوئے باورچی خانے کے دروازے پر آیا تو وہاں بیگم کو سر پکڑے پایا —

"تت، تمہیں کیا ہوا بیگم؟" اس نے بوکھلا کر کہا — سلمیٰ نے سر اوپر اٹھایا تو چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور مصالحے کے [illegible]

نے حلیہ بگاڑ رکھا تھا —

"ارے، یہ کیا؟" ظہور چیخا۔

"ہا، ہا، ہانڈی"

"ہانڈی، کیا ہوا ہانڈی کو — کیسی ہے وہ — نصیب دشمناں" ظہور نے بوکھلا کر کہا۔

"وہ — وہ" سلمیٰ ہکلا کر رہ گئی —

"تت، تت تو کیا ہانڈی جل گئی؟"

"نہیں، مجھے ہانڈی جلانے کا فن نہیں آتا — وہ مجھ سے گر گئی"

"تو یوں کہو نا، تمہیں گرانے کا فن آتا ہے" ظہور نے منہ بنایا، پھر جلدی سے بولا:

"اٹھو، میرے ساتھ دروازے پر چل کر دیکھو"

"کیا دیکھوں" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"بس آؤ میرے ساتھ" اس نے کہا اور سلمیٰ کو ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف لگا کھینچنے —

"اوہو، کمال ہے جی، میں اس حلیے میں دروازے پر کس طرح جا سکتی ہوں" سلمیٰ نے جھنجلا کر کہا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" خان رحمان کی فراٹی ہوئی آواز نے انہیں گڑبڑا دیا —

"جی، یہ — یہ — وہ، ہم، ہم دروازے ....."

"تم دروازے، یہ کیا بات ہوئی۔ ارے، لیکن، میں تو تم سے — ہائیں، یہ سلمیٰ کے منہ کو کیا ہوا؟" انھوں نے اپنا جملہ درمیان میں چھوڑ دیا۔

"پپ، پینٹنگ" ظہور نے بوکھلا کر کہا۔

"پینٹنگ، کیا مطلب؟"

"اس نے مرغ کے مصالحے سے چہرے پر نقش و نگار بنائے ہیں۔"

"حیرت ہے، اتنے زبردست نقش و نگار تو کوئی آرٹسٹ بھی نہیں بنا سکتا" — خان رحمان نے آنکھیں پھیلا کر کہا، پھر سلمیٰ سے بولے:

"سزا اگرچہ تمہیں مل چکی ہے، لیکن میرا اصول ہے، اپنی طرف سے بھی سزا ضرور دوں، لہذا اسی وقت دو مرغ اور ذبح کرو اور انہیں بھونو — آج یوں بھی محمود، فاروق اور فرزانہ کی دعوت ہے۔"

"جج جی، بہتر، میں ابھی کرتی ہوں" سلمیٰ ہکلائی۔

"اور ہاں، وہ میں نے دروازے کی گھنٹی کی آواز سنی تھی" خان رحمان کو جیسے اچانک یاد آیا۔

"جی ہاں، میں نے بھی سنی تھی" ظہور خوش ہو کر بولا۔

"تو پھر جا کر دیکھا کیوں نہیں؟"

"جی دیکھا تھا جا کر، دیکھا کیوں نہیں" — ظہور نے کہا۔

"کون تھا دروازے پر؟"

"کل آپ نے ایک شخص کا انٹرویو لیا تھا۔ زمینوں کی دیکھ بھال کے لیے ملازم رکھنے کے لیے — وہ انٹرویو میں کامیاب ہو گیا تھا — آپ نے آج اسے بلایا تھا، تاکہ کام کی نوعیت سمجھا دیں۔"

"ظہور، کیا تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو؟"

"بھلا میری ایسی مجال کہاں" ظہور نے جلدی سے کہا۔

"تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میری یادداشت کمزور ہے؟"

"جی نہیں، میں یہ خیال کرنے کے بھی قابل نہیں" اس نے کہا۔

"پھر مجھے اتنی تفصیل بتانے کی کیا ضرورت، اگر قدوس میاں آ گئے تھے تو انہیں اندر کیوں نہیں لائے؟"

"جی، وہ — وہ دراصل آیا نہیں — جب، بلکہ آئے ہیں۔"

"آیا نہیں، بلکہ آئے ہیں — یہ کیا بات ہوئی — تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا — جاؤ، انہیں جا کر بلا لاؤ — ادھر محمود وغیرہ آنے والے ہیں، میں ان کے آنے سے پہلے قدوس میاں سے نبٹ لینا چاہتا ہوں — سلمیٰ، تمہیں کتنی دیر لگ جائے گی؟"

"جی ہیں، ایک گھنٹے۔"

"ٹھیک ہے، تیاری کرو۔ میری طرف سے تمہیں اتنی سزا اور ہے اور تم اسے رعایتی سزا کہہ سکتی ہو، یا سزا کی ٹپ سمجھ لو۔ یہ کہ اپنے چہرے کو اسی طرح رہنے دینا۔ خبردار جو تم نے صاف کرنے کی کوشش کی۔"

"ج، جی ۔۔۔ جی۔" سلمیٰ نے بمشکل کہا۔

"ہائیں، تم اب بھی یہیں کھڑے ہو۔ جا کر قدوس میاں کو لاتے کیوں نہیں۔"

"لے آتا ہوں جناب۔" محمود نے بے چارگی کے عالم میں کہا اور تھکے تھکے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

خان رحمان ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئے، پھر قدموں کی آوازیں ابھریں۔ انہوں نے نظر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا، دوسرے ہی لمحے ان کی آنکھیں بھی حیرت کی زیادتی سے پھیل گئیں، منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

○

محمود، فاروق اور فرزانہ خوب بن ٹھن رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے آج ان کے درمیان بننے سنورنے کا مقابلہ ہو۔ فاروق

فرزانہ سے بھی دو ہاتھ آگے نظر آ رہا تھا اور کیوں نظر نہ آتا، آج حامد، سرور اور نازش نے ان تینوں کی اور شائستہ کی دعوت کی تھی؛ گویا یہ بچہ پارٹی تھی۔ اس پارٹی میں کسی بڑے کو شامل نہیں کیا گیا تھا۔ اب یہ اور بات ہے کہ خان رحمان نے الگ ہی الگ انسپکٹر جمشید اور پروفیسر داؤد کو بھی دعوت دے ڈالی ہو، یعنی خفیہ طور پر۔

"حامد، سرور اور نازش نے زندگی میں پہلی مرتبہ کوئی شاندار پروگرام بنایا ہے۔ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟" محمود اپنے جوتوں کو چمکاتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال بہت خوفناک ہے، لہٰذا نہ سننا بہتر ہے۔" فاروق کپڑوں پر خوشبو چھڑکتے ہوئے بولا۔

"اچھا، تم اپنا خوفناک خیال اپنے پاس رکھو، میں فرزانہ سے معلوم کر لیتا ہوں۔" محمود نے منہ بنایا۔

فرزانہ اپنی جگہ سے تیزی سے ہٹی اور محمود کے پاس آ کر رکی۔

"کیا ہوا، کیا کوئی سانپ نظر آ گیا ہے؟" محمود حیران ہو کر بولا۔

"میں فاروق کے پاس سے اس لیے ہٹ آئی کہ کہیں اس کے خوفناک خیال کی لپیٹ میں نہ آ جاؤں۔" اس نے ڈرے ڈرے

انداز میں کہا۔ محمود ہنس پڑا۔ فاروق اسے گھورنے لگا۔

"اب میں اپنا خوف ناک خیال ظاہر کیے بغیر نہیں رہوں گا۔" فاروق غرایا۔

"یا اللہ رحم" فرزانہ نے اوپر دیکھا۔ وہ اب اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھی۔

"ہاں تو کیا خیال ہے تمہارا۔ میں بھی اس خیال کی دھجیاں اڑا کر نہ رکھ دوں تو نام محمود نہیں" محمود بولا۔

"تو پھر پہلے تو یہ طے ہو جانا چاہیے کہ اس صورت میں تم اپنا نام کیا رکھو گے؟" فاروق مسکرایا۔

"ناموں کی کوئی کمی تو نہیں" محمود نے فوراً کہا۔

"بہت اچھا، تو پھر سنو۔ میرا خیال ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ حامد، سرور اور ناز کا پروگرام بہت شاندار ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہم اس سے لطف اندوز بھی ہو سکیں۔ مجھے ڈر ہے، ہمارے ساتھ کوئی چکر نہ چل جائے۔"

"ناممکن، فضا بہت پرسکون ہے۔ ان حالات میں کسی چکر کے چلنے کا کوئی امکان دور دور تک نظر نہیں آ رہا۔"

"شدید گرمی کے دنوں میں، جب سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا ہوتا ہے۔ بادل کا کوئی ٹکڑا بھی دور دور نظر نہیں آ رہا ہوتا، لیکن اچانک بادل چھا جاتے ہیں اور بارش ہونے لگتی ہے۔ کہنے کا

مطلب یہ کہ دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا ہے۔"

"لیکن تمہارا خیال پھر بھی دل کو نہیں لگتا" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"خیر خیر، دیکھا جائے گا۔ خدا جانے کیا بات ہے۔ میرے دل کی دھڑکن کچھ تیز ہے آج۔"

"اپنے دل کو اور اس کی دھڑکن کو قابو میں رکھو اور پروگرام میں خوف و ہراس کا رنگ نہ شامل کرو۔ اور ہاں، حامد وغیرہ کو تو بالکل تمہارے خیال کی ہوا نہیں لگنی چاہیے، وہ بے چارے تو ڈر ہی جائیں گے" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"خیال کی ہوا" فرزانہ بڑبڑائی۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ محمود نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے انسپکٹر جمشید بول رہے تھے۔

"معلوم ہوتا ہے، زور شور سے تیاریاں ہو رہی ہیں۔"

"جی ابا جان، ہو تو رہی ہیں۔"

"اپنی امی سے کہہ دو، میرے بھی کپڑے نکال دیں۔"

"کیا آپ کو بھی کسی دعوت میں جانا ہے۔"

"ہاں بھئی، آج میری بھی ایک جگہ دعوت ہے" انہوں نے خوش ہو کر کہا۔

"بہت بہتر" اس نے کہا اور انسپکٹر جمشید نے ریسیور رکھ دیا۔

پھر باورچی خانے کی طرف چلا گیا۔ واپس آکر اس نے بتایا:

"ابا جان کو بھی آج کسی دعوت میں جانا ہے۔"

"رہ گئیں بے چاری امی جان، کیوں نہ ہم ان کی دعوت کا بھی بندوبست کر دیں۔" فرزانہ بولی۔

"کیا مطلب، بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" محمود حیران ہو کر بولا۔

"ہو کیوں نہیں سکتا۔ ہم بیگم شیرازی سے درخواست کر سکتے ہیں کہ وہ ہماری امی جان کی دعوت کر دیں۔" فرزانہ نے ترکیب بتائی، اس پر محمود اور فاروق مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

تینوں یہ تجویز لے کر اپنی امی جان کے پاس پہنچے۔ وہ بھی مسکرائیں، پھر بولیں:

"تمہارا بیگم شیرازی سے یہ کہنا تو کسی طرح بھی اچھا نہیں لگے گا۔ ہاں، تم ان سے جا کر یہ ضرور کہہ سکتے ہو کہ آج شام کا کھانا وہ میرے ساتھ کھائیں۔"

"گویا آپ دعوت میں جانے کی بجائے انہیں اپنے گھر دعوت دینا پسند کریں گی۔"

"ہاں۔" وہ بولیں۔

"تو ٹھیک ہے۔ ہم انہیں دعوت دے آتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"گویا آج کا دن، دعوتوں کا دن ہے۔" فاروق بولا اور وہ

مسکرا دیے۔

بیگم شیرازی کو پیغام دے کر وہ اپنی موٹر سائیکلوں پر روانہ ہوئے اور پھر خان رحمان کی کوٹھی کے دروازے پر اترے۔ جونہی ان کی نظر کوٹھی کی روش پر پڑی، وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

یک نہ شد تین شد

خان رحمان کو زمینوں کی دیکھ بھال کے لیے ایک آدمی کی ضرورت تھی۔ اس سلسلے میں انھوں نے اخبار میں اشتہار دیا تھا۔ کل وہ تین گھنٹے تک انٹرویو لیتے رہے — ملازمت کے لیے تقریباً بیس نوجوان آئے تھے — ان میں سے انہیں صرف ایک کو رکھنا تھا۔ آخر ایک نوجوان ان کے تمام سوالات کے جواب تسلی بخش دینے میں کامیاب ہو گیا — اس نوجوان کا نام قدوس میاں تھا۔ اشتہار میں انھوں نے تنخواہ دو ہزار روپے ماہوار لکھی تھی — لیکن جب نوجوان قدوس میاں کامیاب ہو گیا تو انھوں نے اس سے کہا:

"میں تمہیں دو ہزار روپے تنخواہ نہیں دوں گا۔"

"تو پھر کتنی دیں گے — اشتہار میں تو دو ہزار ہی لکھی تھی۔" قدوس میاں نے پریشان ہو کر کہا۔

"اشتہار کی بات چھوڑیں۔ اس سے تو میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ دو ہزار روپے میں کون کام کرنا پسند کرتا ہے۔ ظاہر ہے، جو

شخص دو ہزار روپے ماہوار پر کام کرنے پر تیار ہو، وہ پانچ ہزار روپے میں تو بھلا کیوں کام نہیں کرے گا — پانچ ہزار روپے میں تو اپنی کارکردگی کا اور بھی زبردست مظاہرہ کرے گا۔" انھوں نے کہا —

"کیا مطلب، کیا آپ مجھے پانچ ہزار روپے تنخواہ دیں گے؟" اس کے لہجے میں حیرت در آئی۔

"ہاں، اگر تمہیں منظور نہیں تو تم جا سکتے ہو۔" وہ بولے۔

"جی، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ بھلا منظور کیوں نہ ہوگا۔" اس نے اور بھی حیران ہو کر کہا۔

"بس تو پھر کل شام پانچ بجے کے قریب آ جانا۔ میں تمہیں تمہاری ڈیوٹی سمجھا دوں گا۔ اس کے بعد تم زمینوں پر چلے جانا۔"

"بہت بہتر جناب، میں نے آپ جیسا آدمی کہیں دیکھا نہ سنا۔"

"کیا مطلب، کیا میرے سر پر سینگ ہیں۔" خان رحمان نے بگڑ کر کہا۔

"جج جی — نہیں تو۔" اس نے بوکھلا کر کہا اور چلا گیا۔

اب محمود نے اسی قدوس میاں کی آمد کی اطلاع دی تھی، اور آج حامد، سرور اور ناز نے محمود، فاروق، فرزانہ اور شائستہ کی دعوت کر رکھی تھی — دعوت کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں

بڑوں کو شریک نہیں کیا گیا تھا — یہ اور بات ہے کہ انہوں نے خفیہ طور پر انسپکٹر جمشید اور پروفیسر داؤد کو دعوت دے رکھی تھی اور ان تینوں کا پروگرام الگ رہ کر دعوت اڑانے کا تھا۔ ابھی ان میں سے کوئی نہیں پہنچا تھا کہ قدوس میاں آ گئے۔ قدموں کی آواز سُن کر انہوں نے نظریں اوپر اٹھائیں — انہوں نے دیکھا، ان کے سامنے ایک قدوس میاں نہیں، تین قدوس میاں کھڑے تھے —

چند لمحے تک وہ انہیں پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے رہے، آخر بولے:

"ظہور! میری عینک لاؤ — جلدی کرو — میں آج ہی آنکھوں کے سپیشلسٹ سے ملوں گا۔"

"کوئی فائدہ نہیں ہوگا جناب۔" ظہور نے سرد آہ بھری۔

"کیوں، فائدہ کیوں نہیں ہوگا — سپیشلسٹ کو دکھا کر بھی فائدہ نہیں ہوگا۔" انہوں نے آنکھیں نکالیں۔

"جی نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے آج تک عینک نہیں لگوائی اور یہ مجھے بھی تین ہی نظر آ رہے ہیں۔"

"تب، تب تو میرے ساتھ تم بھی سپیشلسٹ کے ہاں چلو۔" انہوں نے بوکھلا کر کہا۔

"لیکن جناب، خود سپیشلسٹ صاحب کو بھی یہ تین نظر آئیں

گے، اس لیے کہ یہ ہیں ہی تین۔" ظہور نے ہکلا کر کہا۔

"لیکن یہ کس طرح ہو سکتا ہے — ایک آدمی کے تین آدمی کس طرح بن سکتے ہیں۔" خان رحمان بولے — "دنیا میں آج تک ایسا ہوتے نہیں سُنا۔"

"ہم، میں کیا کہہ سکتا ہوں جناب۔"

"ہاں، ٹھیک ہے۔ تم واقعی کیا کہہ سکتے ہو — خیر تم فکر نہ کرو، میں خود ہی کہہ لوں گا۔" یہ کہہ کر وہ ان کی طرف مڑے،

"تم میں قدوس میاں کون ہے؟"

"میں قدوس میاں ہوں — کل میں ہی آپ کو انٹرویو دینے آیا تھا۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"وہ غلط کہتا ہے۔" ان میں سے دوسرا سینے پر ہاتھ مار کر بولا، "قدوس میاں میں ہوں۔ انٹرویو دینے آپ کے پاس میں آیا تھا۔"

"غلط بالکل غلط، انٹرویو دینے میں آیا تھا — آپ نے مجھے دو ہزار روپے تنخواہ کی بجائے پانچ ہزار روپے دینے کی خوش خبری سنائی تھی۔"

"بالکل بالکل، لیکن یہ چکر کیا ہے — تم ایک سے تین کس طرح ہو گئے؟"

"یہ غلط کہہ رہا ہے جناب، انٹرویو دینے میں آیا تھا، مجھ

سے غلطی یہ ہوئی کہ گھر جا کر میں نے ان دونوں کو ساری بات تفصیل سے بتا دی اور جب میں نے یہ بتایا کہ آپ اپنی اعلان کردہ تنخواہ کی بجائے پانچ ہزار روپے ماہوار تنخواہ دیں گے تو ان کی حیرت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ میں جب آج آپ کے دروازے پر پہنچا تو نہ جانے یہ کن کونوں سے نکل کر میرے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ مجھ سے کیا غلطی سرزد ہوئی ہے۔" تیسرے نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا مطلب، تم ایک ہی گھر میں رہتے ہو؟" خان رحمان حیران ہو کر بولے۔

"جی ہاں، دراصل ہم تینوں جڑواں بھائی ہیں اور ابھی چند روز پہلے ہی ایک دوسرے شہر سے یہاں آئے ہیں۔ وہاں کے لوگوں نے ہمارا جینا حرام کر دیا تھا۔ جسے دیکھو، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہمیں گھور رہا ہے۔ یہاں بھی ہم رات کی تاریکی میں آئے تھے اور یہ فیصلہ کیا تھا کہ ایک وقت میں ہم میں سے صرف ایک باہر نکلا کرے گا، تاکہ کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ہم ایک نہیں تین ہیں، لیکن ان دونوں نے بدعہدی کی اور پانچ ہزار کی ملازمت کے لالچ میں یہاں آ گئے۔ آپ ہی انصاف کیجیے۔"

"یہ بالکل جھوٹ ہے۔ ملازمت دراصل مجھے دی گئی تھی۔" پہلا زور دار لہجے میں بولا۔

"اور تم لوگوں کو اس شہر میں مکان کس طرح مل گیا؟"

"مکان تو دراصل ہمارے ماموں جان کا ہے۔ وہ یہاں سے اس شہر میں منتقل ہو گئے ہیں، جس سے ہم آئے ہیں۔ انھوں نے ہمیں چابی دے دی تھی۔" دوسرے نے بتایا۔

"اگر تم سگے بھائی ہو، تب تو تمھیں ایک دوسرے کے لیے سب کچھ کرنا چاہیے، نہ کہ پانچ ہزار کی ملازمت کے لیے آپس میں لڑنا شروع کر دیا۔ سچ سچ بتاؤ، تم میں سے انٹرویو دینے کون آیا تھا۔"

"میں۔" ان تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

اور خان رحمان نے سر پکڑ لیا۔ پھر وہ انھیں ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر باہر نکل آئے۔ روش پر اکڑوں بیٹھ کر سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ انھیں اپنا سر چکراتا محسوس ہو رہا تھا۔ عین اسی وقت انھوں نے موٹر سائیکلوں کے رکنے کی آواز سنی۔ انھوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو محمود، فاروق اور فرزانہ اتر رہے تھے۔ اور ان کی آنکھوں میں حیرت کے آثار تھے۔

"خیر تو ہے انکل، یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔" محمود نے حیرت بھری

آواز میں کہا۔

"مجھے اکڑوں بیٹھا دیکھ رہے ہو اور کیا' خیر یہ بھی اچھا ہی ہوا تم آ گئے۔ آؤ میرے ساتھ اندر۔ میں حامد سے تم لوگوں کو تھوڑی دیر کے لیے ادھار مانگ لوں گا" — انھوں نے بے چارگی کے عالم میں اٹھتے ہوئے کہا۔

"جی کیا فرمایا' ادھار مانگ لیں گے" — فاروق کے منہ سے نکلا۔

"دراصل تم آج کے دن صرف ان تینوں کے مہمان ہو نا۔ اس لیے ادھار ہی مانگنا پڑے گا" وہ بولے اور ان سے ہاتھ ملانے کے بعد اندر کی طرف مڑے ہی تھے کہ پروفیسر داؤد کی کار اندر داخل ہوتی نظر آئی۔

"لو بھئی شائستہ' تمہارے تینوں مہمان ساتھی بھی شاید ابھی ابھی پہنچے ہیں" — انھوں نے چہکتی آواز میں کہا۔

"بالکل یہی بات ہے انکل" — فرزانہ بولی اور شائستہ کی طرف لپکی — دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔

"آئیے پروفیسر صاحب' آپ کیوں کار میں ہی بیٹھے ہوئے ہیں؟"

"کیا کیا جائے' ان لوگوں نے ہمیں تو گھاس ہی نہیں ڈالی" پروفیسر داؤد نے کندھے اچکائے اور کار سے باہر نکل آئے۔

"انکل' وہ ادھار لینے والی بات تو رہ ہی گئی" فرزانہ نے

بے چین ہو کر کہا۔

"ادھار لینے والی بات' کیا مطلب؟ یہ آپ لوگوں میں سے ادھار لینے کی ضرورت کیسے پڑ گئی — خیر تو ہے؟" پروفیسر داؤد پریشان ہو گئے۔

"جی انکل کو" — فاروق مسکرایا۔

"ہائیں خان رحمان' تم اور ادھار لے رہے ہو' شاید میری زندگی کی یہ حیرت انگیز ترین خبر ہے"

"پروفیسر صاحب' آپ نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ میں کس چیز ادھار لے رہا ہوں' دراصل میں حامد' سرور اور نازنہ سے محمود' فاروق اور فرزانہ کو تھوڑی دیر کے لیے ادھار لینا چاہتا ہوں"

"اوہو' یہ تینوں ادھار لینے والی چیزیں کب سے بن گئے۔ ویسے خبر ہے بہت مزیدار — اب تو میں اور شائستہ جب جی چاہا کریں گے' انھیں ادھار لے لیا کریں گے" پروفیسر داؤد خوش ہو کر بولے اور ان کی ہنسی نکل گئی۔

اسی وقت حامد' سرور اور نازنہ باہر آتے نظر آئے۔

"ارے' تم لوگ آ بھی گئے اور ہمیں پتا تک نہیں چلا اور یہ ہنسا کس سلسلے میں جا رہا ہے" — حامد جلدی جلدی بولا' انہیں بھی ہنسنے کی وجہ بتائی گئی — حامد' سرور اور نازنہ نے پریشانی کے

عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"بات کچھ پلے نہیں پڑی۔"

"ابھی پڑ جاتی ہے — بس تم تھوڑی دیر کے لیے ان تینوں کو اجازت دے دو۔"

"بہت بہتر — ہماری طرف سے اجازت ہے۔" حامد نے گویا حاتم طائی کی قبر پر لات ماری۔

اب خان رحمان انہیں لے کر ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑے۔ پھر جوں ہی وہ سب دروازے پر پہنچے، ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں — ڈرائنگ روم میں بالکل ایک جیسی شکل صورت والے تین آدمی بے چینی کے عالم میں بیٹھے نظر آئے۔

"آپ کہاں چلے گئے تھے جناب، ہم تو انتظار کر کر کے تھک گئے تھے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

خان رحمان کے علاوہ باقی سبھی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ انہوں نے ایک ہی شکل صورت کے تین آدمی آج تک نہیں دیکھے تھے۔ ہاں، دو ضرور دیکھے تھے۔

"یہ کیا چکر ہے انکل؟" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"چکر کیا ہوتا — سب ہماری دعوت کو خاک میں ملانے کے چکر ہیں۔" فاروق بڑبڑایا۔

"ہاں، شاید تم ٹھیک کہتے ہو — لیکن خیر، یہ ایسا سنگین معاملہ

بھی نہیں — ہم انہیں کل بھی بلا سکتے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"لیکن انکل، معلوم بھی تو ہو، معاملہ کیا ہے؟"

خان رحمان نے انہیں مختصر الفاظ میں ساری بات بتائی۔ تینوں سن کر سوچ میں ڈوب گئے۔ معاملہ واقعی کسی طرح بھی سنگین نہیں تھا — انہیں کل کیا، پرسوں بھی وقت دیا جا سکتا تھا؛ تاہم معاملہ تھا دلچسپ — اس لیے محمود نے کہا:

"نہیں انکل، یہ معاملہ ابھی اور اسی وقت حل کیا جائے گا۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" انہوں نے فوراً کہا۔

"ہمیں ان میں سے وہ آدمی تلاش کرنا ہے جو کل آپ کے ہاں انٹرویو دینے آیا تھا۔ مطلب یہ کہ ملازمت کرنے کا حق دار وہی ہے، اس کے دونوں بھائی نہیں — یہی چاہتے ہیں نا آپ؟"

"ہاں، کہنے کو تو میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ جاؤ، بھاگ جاؤ، پہلے آپس میں فیصلہ کر آؤ۔ اس کے بعد ملازمت کے لیے تم میں سے جو آئے گا، اسے رکھ لیا جائے گا، لیکن میرا جی چاہتا ہے، میرے سامنے ہی یہ بات ثابت ہو کہ اصل حقدار کون ہے۔"

"ٹھیک ہے انکل، یہی ہوگا — لیکن دعوت کا کیا کیا جائے؟"

"وہ اپنے وقت پر اڑائی جائے گی۔ اس سے پہلے اور اس

کے بعد تم لوگ اپنی کارروائی جاری رکھ سکتے ہو۔ دعوت کے
وقت صرف دعوت ہوگی۔" حامد نے گویا اعلان کیا۔
"یہ بھی کچھ کم رعایت نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یہ معاملہ
پیش نہ آ جاتا تو ہم آپس میں بہت خوشگوار وقت گزارتے۔"
سرور بولا۔
"بالکل، کبھی کبھار تو ایسا موقع ہاتھ آ جاتا ہے۔"
"یہ سارا قصور فاروق کا ہے۔" محمود بول اٹھا۔
"بلکہ فاروق کی کالی زبان کا۔" فرزانہ نے بھی جلدی
سے کہا۔
"بھلا فاروق کا ان تینوں ہم شکلوں سے کیا تعلق؟" شائستہ
نے حیران ہو کر کہا۔
"کوئی تعلق نہیں، لیکن گھر سے روانہ ہوتے وقت اس نے
پہلے ہی اس خوف کا اظہار کر دیا تھا کہ کہیں اس دعوت میں بھی
کوئی چکر نہ چل جائے۔"
"خیر، فکر نہ کرو۔ میں کہہ چکا ہوں۔ یہ معاملہ کوئی زندگی اور
موت کا معاملہ نہیں ہے، نہ ہی یہ کوئی جرم کا معاملہ ہے۔ دو
سگے بھائی تیسرے سگے بھائی کا حق چھین لینا چاہتے ہیں، اور بس۔
اگر ہم یہ جاننے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ دونوں کون سے ہیں تو
انہیں الگ کر دیں گے، کیونکہ تیسرا بھائی انہیں قانون کے حوالے

تو کرنا چاہے گا نہیں، کرنا بھی چاہے گا تو یہ ہلکی سی دھوکا دہی
کی واردات گنی جائے گی اور ہو سکتا ہے، قانون انہیں چند دن
کی سزا دے دے۔ کہنے کا مطلب یہ کہ اس بار تم لوگوں کو
ایک بہت ہی لائٹ قسم کا کیس ہاتھ لگا ہے اور اسے تم چٹکی
بجاتے حل کر لو گے۔" خان رحمان نے جلدی جلدی کہا۔
"خیر، یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ چٹکی بجاتے حل کریں
گے یا گھنٹوں پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔" محمود نے کہا۔
"پھر تم اپنا کام شروع کر دو۔ حامد، سرور اور ناز
دعوت کی تیاری مکمل کر لیں۔ میں اور پروفیسر صاحب کسی الگ
کمرے میں کچھ بات چیت کر لیتے ہیں، کیونکہ ان حالات میں
شاید پروفیسر صاحب کا بھی دل واپس جانے کو نہیں چاہے گا۔"
خان رحمان نے کہا۔
"چاہ بھی کس طرح سکتا ہے بھئی۔ میری تو یہاں دعوت
ہے۔" پروفیسر داؤد مسکرا کر بولے۔
"جی کیا فرمایا، دعوت ہے۔ ابا جان، آپ کو کچھ
غلط فہمی ہو گئی ہے۔ دعوت آج یہاں صرف ہم چاروں کی ہے۔"
شائستہ نے جلدی سے کہا۔
"کیوں بھئی خان رحمان، کیا خیال ہے؟"

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ محمود، فاروق اور فرزانہ زور سے چونکے، کیونکہ گھنٹی بجانے کا انداز انسپکٹر جمشید کا تھا۔

غلط بھائی

"خیرت ہے، ابا جان یہاں کس سلسلے میں آ گئے۔" فرزانہ بڑبڑائی، پھر پروفیسر داؤد پر نظر پڑتے ہی وہ چونک اٹھی۔ ساتھ ہی اس نے خان رحمان کی طرف دیکھا اور بولی:

"اوہ، میں سمجھی۔ یہ چکر ضرور انکل کا چلایا ہوا ہے۔"

"کیسا چکر؟" شائستہ نے حیران ہو کر کہا۔

"حامد، سرور اور ناز نے آج ہماری دعوت کی۔ انکل نے ابا جان اور پروفیسر انکل کی کر دی۔"

"لیکن بھئی، یہ دعوت بالکل الگ الگ ہو گی۔ ہم تمہارے پروگرام میں دخل نہیں دیں گے۔" خان رحمان جلدی سے بولے۔

اسی وقت قدموں کی آواز گونجی۔ انسپکٹر جمشید اور محمود آتے نظر آئے۔

"خیر تو ہے، آپ لوگ کچھ سنجیدہ سنجیدہ سے لگ رہے ہیں۔"

"جی ہاں، تقریباً سنجیدہ ہی ہیں۔" فاروق نے معصومی صورت

بتائی۔

"لیکن کیوں، کیا تم لوگوں کو سنجیدگی کی دعوت دی گئی ہے؟" انسپکٹر جمشید شوخ لہجے میں بولے۔

"جی، سنجیدگی کی دعوت؟" فاروق کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا، "بھلا یہ کیسی دعوت ہوتی ہے؟"

اتنے میں ان کی نظر اندر بیٹھے تین ہم شکل نوجوانوں پر پڑی — ان کا منہ کھل گیا۔

"ارے، یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"

"تین ہم شکل" فاروق نے فوراً کہا۔

"وحدت تیرے کی — اپنے علاوہ کسی دوسرے کو بھی بات کرنے کا موقع دے دیا کرو" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"اچھی بات ہے، موقع وصول کر لو" اس نے فراخ دلی سے کہا۔

"خان رحمان، جلدی بتاؤ، کیا معاملہ ہے؟"

ایک بار پھر خان رحمان کو ساری بات بتانا پڑی۔

"اوہ، بس اتنی سی بات ہے۔ چلو خیر، یہ کیس تم تینوں ہی حل کرو۔ میں اور پروفیسر داؤد تو خان رحمان کے ساتھ دعوت اڑائیں گے۔"

"بہت بہتر ابا جان، لیکن اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے

انکل خان رحمان الگ چل کر ہمیں کل کے انٹرویو کی ایک ایک بات بتا دیں۔"

"ٹھیک ہے، ضرور ایسا کرو" انہوں نے کہا۔

محمود، فاروق اور فرزانہ خان رحمان کو ایک الگ کمرے میں لے گئے۔

"ہاں انکل، اب ذرا تفصیل سے بتائیے۔ کوئی بات رہ نہ جائے" محمود بولا۔

"اچھی بات ہے — مجھے اپنی زمینوں کے لیے ایک نگران کی ضرورت تھی — پہلا نگران ملازمت چھوڑ کر جا رہا ہے۔ اسے اس کے بھائی نے بلا لیا ہے — وہ اپنے کاروبار میں بھائی کو بھی شامل کرنا چاہتا ہے۔ نگران نے مجھے اطلاع دی تو میں نے ملازمت کے خواہش مندوں کے لیے پرسوں کے اخبار میں اشتہار شائع کرا دیا؛ چنانچہ کل بیس کے قریب نوجوان انٹرویو دینے کے لیے آ گئے۔ ان میں سے ایک جو ان تینوں میں موجود ہے، کو میں نے منتخب کر لیا اور اسے آج شام آنے کے لیے کہہ دیا۔ حالات تو بس کل یہ ہیں۔"

"آپ نے اس سے سوالات کیا کیا پوچھے — اس نے کیا کیا جواب دیے؟" محمود نوٹ بک سنبھالتے ہوئے بولا۔

"تو کیا تم نوٹ کرو گے؟"

"جی ہاں، اس کے بغیر تو کام نہیں چلے گا۔" اس نے کہا۔

"اچھا تو پھر لکھتے چلے جاؤ۔— اس نے اپنا نام قدوس میاں بتایا تھا۔ میں نے اس سے پہلا سوال یہ کیا تھا کہ کیا وہ نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے۔ اس کا جواب اس نے ہاں میں دیا، پھر میں نے زمینوں کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے بتایا کہ وہ اس سے پہلے بھی ایک زمیندار کی زمینوں کی دیکھ بھال کر چکا ہے۔ اس کے بعد میں نے اس سے سوال کیا کہ کیا اسے یہ کام دو ہزار روپے میں منظور ہے! اس نے کہا، منظور ہے۔ بعد میں میں نے اس سے کہا کہ میں تمہیں دو ہزار نہیں، پانچ ہزار دوں گا، تو وہ بہت حیران ہوا، پھر میری پیش کش خوشی خوشی منظور کر لی۔ بس یہ ہے کل تفصیل۔"

"اور یہ انٹرویو کل کس وقت لیا گیا، کیا آپ ٹھیک وقت بتا سکتے ہیں؟"

"ہاں، پانچ بج کر بیس منٹ پر لیا گیا، صرف پانچ منٹ جاری رہا۔" انہوں نے بتایا۔

"ٹھیک ہے، آپ ہمیں کچھ اور تو بتانا نہیں چاہتے۔"

"نہیں، اور کیا بتاؤں گا۔ سب کچھ تو بتا چکا ہوں۔"

"شکریہ انکل، اب آپ جائیے۔— ابا جان اور چودھری انکل کے ساتھ دعوت اڑائیے۔ ہم ذرا جاسوسی کی دعوت اڑاتے ہیں۔"

فاروق نے کہا اور وہ مسکراتے ہوئے چلے گئے۔

"جاؤ فاروق، ان میں سے ایک کو بلا لاؤ۔" فرزانہ نے کہا۔

"میں تمہارا چپراسی نہیں ہوں، اس گھر میں مہمان ہوں، سمجھے۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"تو کیا ہوا— اس وقت ہم ایک کیس حل کرنے کی ذمے داری قبول کر چکے ہیں۔" محمود نے برا سا منہ بنایا۔

"ٹھیک ہے، لیکن چپراسی بننے کی ذمے داری نہیں قبول کر چکے۔" فاروق نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے، تم تشریف رکھو، میں بلا لاتا ہوں۔" محمود نے پاؤں پٹخ کر کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

"کام چور کہیں کے۔" فرزانہ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"بڑی بات ہے فرزانہ، ایک تو وہ بے چارہ ان میں سے ایک کو بلانے گیا اور تم اسے کام چور کہہ رہی ہو، وہ بھی کہیں کے کام چور— اور کچھ نہیں تو ہمیں کے کہہ لو۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"زیادہ بنو نہیں، میں نے اسے نہیں، تمہیں کام چور کہا ہے۔"

"ہائیں، مجھے کہا ہے۔ تمہاری یہ مجال، ٹھہرو، ابھی بتاتا ہوں۔" فاروق یہ کہہ کر جھلاہٹ کے انداز میں اٹھا ہی تھا کہ محمود ان میں

سے ایک کو لے کر اندر داخل ہوا۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" اس نے حیران ہو کر فاروق کی طرف دیکھا۔

"مجھ پر حملہ۔ میں نے اسے ذرا کام چور کہیں کہہ دیا تھا۔"

"بُری بات ہے۔" محمود جلدی سے بولا۔

"بالکل، یہی تو میں بھی کہتا ہوں، بُری بات ہے۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"میں تم سے کہہ رہا ہوں، چھوٹی بہن پر جھپٹ پڑنا، بری نہیں تو کیا اچھی بات ہے۔" محمود نے اسے گھورا۔

"وہ ہو گئی۔ جو کہتا ہے، جی سے کہتا ہے۔" فاروق نے جھینپ کر کہا۔

"اچھا بس، اب ہمیں ان سے سوالات کرنے ہیں۔" محمود نے تنگ آکر کہا، پھر اس سے بولا:

"تشریف رکھیے جناب، آپ کا نام؟"

"قدوس میاں۔"

"تو انٹرویو دینے کل آپ آئے تھے، آپ کے بھائی نہیں؟" محمود نے پہلا سوال کیا۔

"جی ہاں، اس میں ذرا بھی شک نہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

"لیکن آپ کے پاس اس بات کا ثبوت کیا ہے؟"

"کوئی ثبوت نہیں۔" اس نے بے چارگی کے انداز میں کہا۔

"خان رحمان اس وقت سگار پی رہے تھے یا سگریٹ؟" اچانک فرزانہ کو سوال سوجھا۔

"سگار۔" اس نے فوراً کہا۔

باقی سوالات کے اس نے وہی جواب دیے جو خان رحمان نے انہیں بتائے تھے، چنانچہ محمود نے اس کی قمیص پر بال پوائنٹ قلم سے نمبر ایک لکھا اور اسے ایک دوسرے کمرے میں بٹھا کر حامد کو دروازے پر کھڑا کر دیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے کو بلایا گیا۔ باقی سوالات کے دوران اس سے بھی سرسری انداز میں فرزانہ نے یہی سوال کیا:

"خان رحمان اس وقت سگار پی رہے تھے یا سگریٹ؟"

"سگریٹ۔" اس نے فوراً کہا۔

محمود نے اس کی قمیص پر نمبر دو لکھا اور اسے ایک اور کمرے میں بٹھا کر سرور کو دروازے پر کھڑا کر دیا گیا۔ اب تیسرے کی باری تھی۔ اس سے بھی یہی سوال کیا گیا۔

"خان رحمان اس وقت سگار پی رہے تھے یا سگریٹ؟"

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے کہا۔

اس کی قمیص پر نمبر تین لکھا گیا۔ اسے تیسرے کمرے میں بٹھا کر ناز اور شائستہ کو دروازے پر کھڑا کیا گیا۔ پھر وہ خان رحمان کے کمرے میں پہنچے۔ یہاں یہ چاروں بڑے ایک مذہبی معاملے پر

بات کر رہے تھے — انہیں دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

"کیوں بھئی، کیا تم نے اصل حقدار کو الگ کر دیا ہے؟" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"تقریباً۔" فاروق بولا۔

"تقریباً سے کام نہیں چلے گا — کام مکمل کرو۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"یہ آپ نے سگار کب سے پینے شروع کر دیے انکل؟"

"نہیں تو، اب تو بالکل سگار نہیں پیتا — فوج کے زمانے میں اور کچھ عرصہ اس کے بعد بھی عادت رہی، پھر جمشید اور پروفیسر صاحب کے کہنے پر بالکل چھوڑ دیے۔" انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

"اور سگار چھوڑ کر سگریٹ پینے کی کیا ضرورت تھی؟" فاروق بولا۔

"سگریٹ، نہیں تو — میں سگریٹ تو بالکل نہیں پیتا۔" انہوں نے کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو ہم نے اسے الگ کر لیا ہے، جو کل آپ کے پاس انٹرویو کے لیے آیا تھا۔ آئیے، چل کر دیکھ لیں۔"

"اور صرف یہ سوال پوچھ کر کہ خان رحمان سگار پی رہے تھے یا سگریٹ، کیوں ٹھیک ہے نا؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی ہاں، بالکل ٹھیک۔"

"تو پھر چلو، ذرا ان تینوں سے بات کر لیں، دیکھیں اب باقی دو کیا کہتے ہیں؟"

وہ صحن میں آئے، انہیں الگ الگ کمرے سے نکالا گیا۔

"نمبر تین وہ آدمی ہے، جو کل انٹرویو دینے آپ کے پاس آیا تھا، کیونکہ اس نے فوراً کہا کہ آپ اس وقت سگریٹ یا سگار نہیں پی رہے تھے، جب کہ پہلے نے یہ بتایا کہ آپ سگار پی رہے تھے، دوسرے نے یہ بتایا کہ آپ سگریٹ پی رہے تھے۔"

"بہت خوب، تم نے کمال کر دیا — اتنی جلدی اس کے دونوں غلط بھائیوں کو پکڑ لیا۔" یہ کہہ کر خان رحمان ان کی طرف مڑتے ہوئے بولے:

"کیوں بھئی، اب تم کیا کہتے ہو؟"

"اس میں کوئی شک نہیں، انٹرویو دینے کل میں ہی آیا تھا اور اب یہ دونوں بھی اس بات سے انکار نہیں کریں گے۔"

"ظاہر ہے، اب یہ دونوں انکار کر بھی نہیں سکتے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اب کیا کیا جائے، کیا ان کے دونوں بھائیوں کو قانون کے حوالے کر دیا جائے؟" خان رحمان نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"جی نہیں، کسی کو بھی قانون کے حوالے کرنے کی ضرورت نہیں — دراصل ہمارا ذریعہ معاش ہی یہی ہے۔" پہلا بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"ہمیں ملازمت ولازمت کچھ نہیں چاہیے۔ ہمیں تو بس ہمارا انعام دے دیں" تیسرا مسکرا کر بولا۔

"انعام دے دیں، کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"ہاں، انعام دے دیں — ہم دراصل بہروپیے ہیں — اس طرح لوگوں کو الجھن میں ڈال کر اور پھر خود کو ظاہر کر کے انعام حاصل کرتے ہیں — اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ بچے بہت ہوشیار ہیں، ورنہ عام طور پر لوگ ہمیں الگ نہیں کر پاتے۔"

"بہروپیے" خان رحمان نے حیرت زدہ انداز میں کہا اور پھر ہنس پڑے۔

دوسرے بھی مسکرانے لگے — آخر خان رحمان نے پانچ سو روپے انہیں دیے اور وہ رخصت ہونے کے لیے مڑے، لیکن اسی وقت انسپکٹر جمشید کی آواز نے ان کے پاؤں جکڑ لیے۔

"کیوں بھئی، کیا تم میں سے ایک پہلے اسی طرح انٹرویو دینے جاتا ہے؟"

"جی ہاں، ہم اخبارات میں اشتہار دیکھتے رہتے ہیں اور فرضی انٹرویو دیتے پھرتے ہیں، اس کام کے لیے تینوں ہی نکلتے ہیں — تینوں میں سے کوئی نہ کوئی تو کسی نہ کسی انٹرویو میں کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔"

"لیکن تم لوگ کوئی ڈھنگ کا کام کیوں نہیں کر لیتے۔ یہ تو کوئی اچھا کام نہیں ہے۔"

"بس ہم اسی کام کے ماہر ہیں۔"

"اور کیا تم واقعی سگے بھائی اور ایک دوسرے کے ہم شکل ہو؟"

"جی ہاں، اس میں کوئی شک نہیں — ہم نے میک اپ نہیں کر رکھا۔"

"خوب، اچھا بھئی، بہتر ہوگا کہ تم یہ کام چھوڑ دو۔"

"شکریہ جناب!" انہوں نے ایک ساتھ کہا — "ہم اس کام کو چھوڑنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے ہوں۔"

ان کے جانے کے بعد ان کی دعوت شروع ہوئی — سلمیٰ کے پکائے ہوئے کھانے بہت پُرلطف تھے۔ بند کمرے میں دعوت اڑائی گئی — ادھر دوسرے کمرے میں بچے دعوت اڑا رہے تھے۔

آخر رات کے نو بجے وہ رخصت ہوئے۔ دوسری صبح انسپکٹر جمشید کے فون کی گھنٹی بجی۔ وہ اس وقت ناشتے کی میز پر آ چکے تھے — انہوں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے خان رحمان کہہ رہے تھے:

"جمشید، رات چوروں نے میرے گھر کو صفایا کر دیا ہے۔ نقدی، زیورات اور دوسری تمام قیمتی چیزیں ہمیشہ کر لے گئے ہیں — ایسا

معلوم ہوتا ہے، جیسے انھوں نے یہ کام بہت اطمینان سے اور اپنا گھر سمجھ کر کیا ہے؟

"اوہ" ان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا، پھر وہ بولے،

"اچھا، ہم آ رہے ہیں" یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا اور یہ خبر ان تینوں کو سنائی۔

ان کے منہ بھی کھلے کے کھلے رہ گئے۔

کاغذ

خان رحمان انہیں برآمدے میں ٹہلتے ملے — ان کے چہرے پر ایک بے چین سی مسکراہٹ تھی — انہیں دیکھتے ہی بولے:

"دو لاکھ سے زیادہ کی چیزیں چرائی گئی ہیں جمشید، وہ تو شکر ہے، نقدی اور زیورات گھر میں زیادہ نہیں تھے — اور ستم ظریفی تو یہ کہ چور ٹیپ ریکارڈر، ٹیلی وژن سیٹ اور اس قسم کی دوسری چیزیں بھی لے گئے؛ گویا وہ یہاں تمام رات مصروف رہے۔ حیرت ہے، ہم میں سے کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی"

"کوئی بات نہیں، دو لاکھ تمہارے لیے چیز ہی کیا ہیں!" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"وہ تو خیر ٹھیک ہے — لیکن جمشید، تمہارے دوست کے گھر چوری کوئی معمولی بات تو نہیں — لوگ کیا کہیں گے" خان رحمان بولے۔

"لوگوں کا کیا ہے؟ وہ تو کہا ہی کرتے ہیں اور پھر چوری

تو ہو چکی۔ ہم کر ہی کیا سکتے ہیں، سوائے چوروں کو پکڑنے کی
کوشش کے — ویسے میرا خیال ہے، وہ تینوں بہروپیے ہی چور
تھے۔"

"جی کیا مطلب؟" وہ سب چونک کر بولے۔

"میرا اندازہ یہی ہے، جو غلط بھی ہو سکتا ہے — خیر پہلے ہم
جائزہ تو لے لیں — کیا تم پولیس کو رپورٹ کر چکے ہو؟"

"ابھی تک نہیں۔"

"انہیں فون کر دو اور ساتھ ہی اکرام کو بھی اطلاع دے دو۔
آؤ بھئی، ہم اندر کا جائزہ لیں۔"

وہ خان رحمان کے کمرے میں آئے۔ تجوری کھلی پڑی تھی
اور اس میں کوئی چیز بھی نہیں چھوڑی گئی تھی۔ وہ ایک ایک
کمرہ دیکھتے پھرے — باورچی خانے میں چائے کے برتن بھی بھرے
پڑے تھے۔ یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید نے شہناز بیگم سے پوچھا:

"کیا رات چائے کے برتن اسی طرح چھوڑے گئے تھے؟"

"جی نہیں، تمام برتن دھو کر رکھے گئے تھے۔"

"اس کا مطلب ہے، چوروں نے رات چائے بھی بنا کر پی۔
گویا وہ جلدی میں ہرگز نہیں تھے — انہوں نے ہر کام پورے اطمینان
اور سکون سے کیا — سوال یہ ہے کہ وہ اندر کس طرح داخل
ہوئے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"وہ ہماری بے وقوفیوں کے ذریعے اندر داخل ہوئے۔"
فاروق منمنایا۔

"یہ ہماری بے وقوفیاں دروازے کب سے بن گئیں۔" فرزانہ
نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"جب سے تم نے جلنا شروع کیا۔"

"ہم نے انہیں الگ الگ کمرے میں رکھا تھا، کچھ دیر تک
وہ الگ الگ کمرے میں رہے تھے، ہمیں ان کمروں کا بغور جائزہ
لینا چاہیے۔" محمود کھوئے کھوئے لہجے میں بولا اور وہ تیزی سے
اس طرف بڑھے، جہاں انہوں نے تینوں ہم شکلوں سے سوالات
کیے تھے — پہلے کمرے کو دیکھا گیا، لیکن اس میں کوئی گڑبڑ نظر
نہ آئی۔ دوسرے کو دیکھا گیا۔ اس میں بھی کچھ نہیں تھا۔ آخر وہ
تیسرے کمرے میں داخل ہوئے — بظاہر کمرے کی ہر چیز بالکل
ٹھیک ٹھاک تھی۔ کچھ سوچ کر محمود اس کی کھڑکی کی طرف بڑھا۔
کھڑکی میں سلاخیں لگی تھیں۔ اس نے ان سلاخوں کو ہلا جلا کر دیکھا
اور پھر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جب سلاخیں نکل نکل کر
گرنے لگیں۔ اب انہیں معلوم ہوا، ان سلاخوں کو کاٹا گیا تھا۔ ان
کے پاس ضرور کوئی چیز تیز [illegible] رہی ہو گی، کوئی چھوٹا سا آلہ
جو جیب میں آسانی سے آ جاتا ہو گا۔ جب انہیں الگ الگ کمرے
میں بند کر دیا گیا تو ان میں سے ایک نے اس کمرے کی کھڑکی

کی سلاخیں کاٹ دیں اور چٹخنی گرا دی۔ سوتے وقت بھلا آپ لوگ
کیوں چیک کرتے، جب کہ کھڑکیوں کی چٹخنیاں پہلے ہی لگی ہوئی
تھیں۔ کمرے روزمرہ کے استعمال کے نہیں تھے۔ بس وہ رات کو
نہایت اطمینان سے کھڑکی کے ذریعے اندر داخل ہو گئے۔ حیرت تو
یہ ہے کہ انکل اور دوسرے گہری نیند سوتے رہے۔ ان میں سے کسی
کی بھی آنکھ نہیں کھلی۔" محمود کہتا چلا گیا۔

"یہ کوئی حیرت کی بات نہیں، ان کے پاس کلوروفارم یا اس
اس قسم کی کوئی چیز موجود رہی ہو گی۔ انہوں نے تھوڑی تھوڑی
مقدار میں ان سب کو سنگھا دیا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"حیرت ہے، ہم نے کبھی اتنے جدید انداز میں کہیں چوری
کی واردات ہوتے — دیکھی نہیں۔" فاروق بڑبڑایا۔

"اور مجھے ان کی ستم ظریفی پر ہنسی آ رہی ہے۔" انسپکٹر جمشید
بولے۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ خان رحمان نے ریسیور اٹھایا، پھر
ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے:

"جمشید، کوئی صاحب تمہیں پوچھ رہے ہیں۔"

"اوہ، اسے کس طرح معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں۔" یہ کہہ کر
انہوں نے ریسیور لے لیا اور کان سے لگاتے ہوئے بولے،

"انسپکٹر جمشید پلیز۔"

"اور میں قدوس میاں ہوں۔ امید ہے، آپ مجھے بھولے نہیں
ہوں گے۔"

"نہیں بھئی، آپ تو واقعی یاد رکھنے کی چیز ہیں۔" وہ مسکرائے۔

"اس واردات کے بارے میں کیا خیال ہے؟" قدوس میاں
نے ہنس کر پوچھا۔

"شاندار۔" انہوں نے کہا۔

"تو پھر تیار رہیے۔" اس نے شوخ لہجے میں کہا۔

"کس بات کے لیے؟"

"ہم شہر میں اسی قسم کی کچھ اور وارداتیں بھی کرنے کا ارادہ
رکھتے ہیں۔"

"یہ جان کر خوشی ہوئی۔" انہوں نے پر سکون آواز میں کہا۔

"دیکھنا یہ ہے کہ ہم زیادہ باصلاحیت ہیں یا آپ۔" اس نے
کہا۔

"فی الحال تو نظر آپ ہی آتے ہیں، مستقبل کی خبر خدا جانے۔"
انسپکٹر جمشید نے بھی پرمسرت انداز میں کہا۔

"شکریہ، اور خدا حافظ۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا۔

"کون تھا جمشید؟" خان رحمان نے حیران ہو کر پوچھا۔

"قدوس میاں، جسے تم پانچ ہزار روپے کی ضمانت دینے چلے

بتھے: وہ مسکرائے۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا، پھر انہوں نے انہیں بتا دیا کہ قدوس میاں نے کیا کہا ہے۔

"اس کا مطلب تو یہ ہے کہ یہ حضرات ستم ظریف ہی نہیں دیدہ دلیر بھی ہیں۔"

"ہاں، ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے کسی دوسرے ملک سے چوری کی خاص تربیت لے کر آئے ہیں۔" وہ بڑبڑائے۔

"یہ اندازہ آپ نے کس طرح لگا لیا؟"

"ان کا ہر کام منجھا ہوا کام ہے — خیر دیکھا جائے گا۔" انہوں نے کہا۔

"دیکھنا تو یہ ہے کہ اب وہ دوسری واردات کس رُخ سے کرتے ہیں۔" انٹرویو والی ترکیب تو کل کے اخبارات میں آ جائے گی، بلکہ شام کے اخبارات میں ہی شائع ہو جائے گی۔"

"اگر انہوں نے انہیں چیلنج کیا ہے تو وہ ضرور واردات کریں گے۔"

اسی وقت اکرام اپنے ماتحتوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ اس نے اپنا کام شروع کیا۔ تجوری پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھائے گئے۔ کٹی ہوئی سلاخوں والی کھڑکی پر سے بھی نشانات اٹھائے گئے — چوری کی جانے والی چیزوں کی تفصیل لکھی گئی۔ اس کام

سے فارغ ہو کر انسپکٹر جمشید دفتر اور وہ تینوں سکول کے لیے روانہ ہو گئے، کیونکہ اب وہاں ان کا کام نہیں رہ گیا تھا۔ پولیس شہر بھر میں ان تین ہم شکلوں کو تلاش کرتی پھر رہی تھی۔

شام کو وہ پھر خان رحمان کے گھر میں جمع ہوئے اور غور کرنے لگے کہ چوروں کو کس طرح تلاش کیا جا سکتا ہے — ایسے میں شہناز بیگم ایک کاغذ اٹھائے ان کی طرف آتی نظر آئیں —

"بھائی جان، جاسوسی معاملات کی مجھے ذرا بھی سدھ بدھ نہیں ہو سکتی ہے، آپ دل میں ہنسیں — یہ کاغذ مجھے اپنی مسہری کے پائے کے پاس پڑا ملا تھا — میں جب سو کر اٹھی تو اس کاغذ پر نظر پڑی۔ اس وقت تک چوری کے بارے میں معلوم نہیں ہوا تھا۔ میں نے بے خیالی میں اس کاغذ کو اٹھا کر کوڑے کے ڈرم میں پھینک دیا — بعد میں چوری کا پتا چلا تو اس وقت مجھے کاغذ کا خیال نہیں آ سکا — جب آپ لوگ یہاں آ کر چلے گئے تو اس کے بعد اچانک مجھے خیال آیا — اس وقت میں نے سوچا، بھلا میرے کمرے میں اس کاغذ کا کیا کام تھا۔ ضرور وہ چوروں میں سے ہی کسی کا رہا ہوگا — یہ سوچ کر میں نے کوڑے کے ڈرم میں کوڑے کو الٹا پلٹا تو یہ مل گیا اور اب یہ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔"

"بہت خوب، یہ تو آپ نے بہت ہی شاندار کام کیا بھابی،"

ڈالیے، دیکھیں کاغذ کیسا ہے۔"

کوڑے میں دب جانے کی وجہ سے کاغذ گندا ہو گیا تھا۔ اسے پہلے روئی سے صاف کیا گیا۔ سونگھ کر دیکھا تو اس میں سے کلوروفارم کی ہلکی سی بُو آ رہی تھی۔

"وہ اس کاغذ میں کلوروفارم کی شیشی رکھ کر لائے ہوں گے۔" یہ کہہ کر انہوں نے اسے میز پر پھیلایا تو اس پر یہ الفاظ لکھے نظر آئے۔

"نمبر ایک میں گھوڑا نمبر ۳ سب سے پہلے۔ گھوڑا نمبر ۵ آخر میں۔ نمبر ۲ میں گھوڑا نمبر ۷ پہلے اور ۹ آخر میں۔"

ان الفاظ کے بعد دو تین لائنیں چھوڑ کر دو دن پہلے کی تاریخ لکھی تھی، پھر یہ الفاظ تھے:

"روڈا تیز نہیں آئے گا، اس کی جگہ بھی کام سنبھالنا ہے۔"

ان الفاظ کے بعد کاغذ صاف تھا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے اس شخص کا تعلق گھوڑوں کی دوڑ سے ہو، ہو سکتا ہے، یہ جاکی ہو۔ گھوڑے دوڑ میں گھوڑے دوڑاتا ہو — اور روڈا تیز اس کے کسی ساتھی کا نام ہو۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"گویا ان تینوں کا تعلق گھوڑ دوڑ کی فرم سے ہے، ہمارے ملک میں جوا کھلواتی ہے، لیکن اس جوئے کو قانونی اجازت حاصل

ہے۔ یہ کس قدر افسوس کی بات ہے۔" محمود نے کہا۔

"ہاں واقعی، ملک کو اس لعنت سے بھی پاک کرنا چاہیے۔ خیر اس طرف بعد میں توجہ دیں گے۔ پہلے تو دیکھنا یہ ہے کہ ان لوگوں کا تعلق گھوڑ دوڑ کے ادارے سے ہے یا نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو پھر چلیے، پہلے ریس کورس ہو آئیں۔ دوڑوں کا وقت ہو چکا ہے۔" فرزانہ بے چین ہو کر بولی۔

"کیوں نہ وہاں صرف میں ہو آؤں۔ تم تینوں یہیں ٹھہرو۔"

"کیوں ابا جان، کیا ہمارے وہاں جانے میں کوئی حرج ہے؟" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔ اس وقت وہاں جوا ہو رہا ہوگا اور ایسی جگہوں پر میں تمہیں لے جانا نہیں چاہتا۔"

"آپ فکر نہ کریں ابا جان، ہم وہاں جوا کھیلنے تھوڑی جا رہے ہیں۔"

آخر وہ ریس کورس کی طرف روانہ ہوئے۔ ٹکٹ لے کر اندر داخل ہوئے۔

"میں سوچ سوچ کر حیران ہو رہا ہوں کہ وہ تینوں اب کس رخ سے واردات کریں گے۔"

"وہ بہت چالاک ہیں، کچھ نہ کچھ سوچ ہی لیں گے۔" محمود

"ہم اس میں کیا کر سکتے ہیں۔ اگر تم سوچ سوچ کر حیران ہو رہے ہو۔ ہم تو اس صورت میں بھی کچھ نہیں کر سکتے، اگر تم حیران ہو ہو کر سوچ رہے ہو۔" فاروق نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ انسپکٹر جمشید اس کے جملے پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ محمود اور فرزانہ نے برے برے منہ بنائے۔

"کرنے کے لیے تمہارے پاس کوئی بات نہیں ہوتی، لیکن تم اپنی زبان کو نچلا نہیں رکھ سکتے۔ اب اس جملے کی کوئی ضرورت تھی بھلا۔" محمود نے جھنا کر کہا۔

"میں ضرورت اور بے ضرورت کے چکر میں نہیں پڑتا۔ یہ دیکھو کہ جملہ چست ہوا ہے یا نہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"خاک چست ہوا ہے، یہ سست بھی نہیں ہوا۔" فرزانہ نے پاؤں پٹخا۔

"چلو خدا کا شکر ہے سست نہیں ہوا۔" فاروق بول اٹھا۔

"بھئی ہم ریس کورس کے اندر داخل ہو چکے ہیں اور اس مقام کے نزدیک پہنچنے والے ہیں، جہاں سے دوڑ شروع ہوتی ہے اگر تم تینوں اپنی بحث جاری رکھنا چاہو تو میں یہیں رک کر انتظار کر لیتا ہوں، فارغ ہونے پر بتا دینا۔" انہوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"اوہ، سوری ابا جان۔" تینوں ایک ساتھ بولے اور تیزی سے

آگے بڑھے۔

یہاں لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے شہر کا بڑا حصہ یہیں آ کر جمع ہو گیا ہے — لوگ اچھل رہے تھے، آنکھوں پر دوربینیں لگی ہوئی تھیں۔ شاید کوئی دوڑ ہو رہی تھی۔ ایسے میں ان کے سوال کا جواب دینے کی فرصت کسے تھی — کچھ سوچ کر انسپکٹر جمشید بلیک بورڈ کی طرف بڑھ گئے۔ اس بورڈ پر آج کی دوڑوں کی تفصیل لکھی تھی۔ انہوں نے پورے بورڈ کو دیکھا بھالا، لیکن اس پر گھوڑوں کے نمبروں کی بجائے، ان کے نام اور جاکیوں کے نام لکھے تھے۔ جاکیوں کے ناموں میں کسی روڈا تیز کا نام بھی نظر نہیں آیا۔

"یوں کام نہیں چلے گا — ہمیں یہاں کے منیجر سے ملنا ہوگا، لیکن اس وقت وہ بھی صرف دوڑیں دیکھ رہا ہوگا، لہٰذا توجہ سے ہمارے سوالات کے جواب نہیں دے سکے گا۔"

آخر انہیں ادھر ادھر گھوم پھر کر وقت گزارنا پڑا۔ خدا خدا کر کے وہ منیجر صاحب تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ منیجر ان کا کارڈ دیکھ کر کچھ گھبرا سا گیا۔

"روڈا تیز، اس نام کا کوئی جاکی ہے؟"

"روڈا تیز۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں، یہی نام ہے۔"

"جی نہیں، ہمارے ہاں اس نام کا کوئی جاکی نہیں ہے۔"

"ہوں، اچھا یہ بتائیے، دو دن پہلے ریس کی ترتیب کیا تھی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ریس کی ترتیب، میں سمجھا نہیں۔ آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"یہ کہ دوڑ نمبر ایک میں کون کونسے گھوڑے دوڑے تھے اور اول کون سا آیا تھا۔"

"گھوڑوں کے نام لکھوائے دیتا ہوں، اول پرنس آیا تھا۔"

"اس گھوڑے کا نمبر کیا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"نمبر — نمبر کوئی نہیں — یہاں گھوڑوں کے نام ہوتے ہیں جناب۔"

"قطار کے لحاظ سے پرنس کا کیا نمبر تھا۔" انہوں نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"قطار کے لحاظ سے پرنس ..... ٹھہریے، میں بتاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے ایک رجسٹر کھولا اور اس میں دیکھنے لگا، پھر سر اٹھا کر بولا:

"اس کا نمبر چھٹا تھا۔"

"آخری دوڑ میں صورت حال کیا تھی، اول کون آیا تھا؟"

"سہراب — قطار میں اس کا نمبر آٹھواں تھا۔"

"شکریہ، مجھے یہی معلوم کرنا تھا۔" انسپکٹر جمشید اٹھ کھڑے ہوئے۔

"لیکن آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ آپ یہ کس لیے معلوم کر رہے ہیں؟"

"ایک کیس کے سلسلے میں — آپ پریشان نہ ہوں۔"

وہ اس کے کمرے سے نکل آئے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے ہم کسی غلط جگہ آ گئے ہیں۔" وہ بڑبڑائے۔

"ایک دن صحیح جگہ بھی پہنچ ہی جائیں گے۔" فاروق نے سرد آہ بھری۔

وہ واپس خان رحمان کے ہاں پہنچے — ابھی تک انہیں کیس میں کوئی کامیابی نہیں ہو سکی تھی؛ تاہم خان رحمان ذرا بھی پریشان نہیں تھے۔ ان کے ساتھ کچھ وقت گزار کر وہ واپس لوٹے — دوسری صبح ان کے فون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے ریسیور اٹھایا تو ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی:

"کیا انسپکٹر جمشید ہیں اس طرف؟"

"جی ہاں، بول رہا ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"میں ظفر قادری ہوں — میرے ہاں چوری ہو گئی ہے اور خالی تجوری میں چور ایک رقعہ چھوڑ گئے ہیں — اس کاغذ پر لکھا ہے، انسپکٹر جمشید کے منہ پر دوسرا طمانچہ — اسی لیے پولیس کو فون کرنے سے پہلے آپ کو فون کر رہا ہوں۔"

"شکریہ، میں آ رہا ہوں — اپنا پتا لکھوا دیں۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"۹ سکھی روڈ۔" انہوں نے کہا۔

"تو بھئی، انہوں نے دوسری واردات بھی کر ڈالی۔" انہوں نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔

"اوہو اچھا، بہت تیزی سے کام کر رہے ہیں۔" محمود حیران ہو کر بولا۔

"میں ظفر قادری کے ہاں جا رہا ہوں — تم لوگوں کا کیا پروگرام ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"ہم آج سکول سے فارغ ہیں، لہٰذا آپ کے ساتھ چلیں گے۔"

"تو پھر جلدی جلدی ناشتا کر لو، میں اکرام کو فون کر دوں۔"

جلد ہی وہ ظفر قادری کی کوٹھی میں داخل ہو رہے تھے۔ اس نے بجھے بجھے انداز میں ان کا استقبال کیا۔

"کیا یہ چور اس سے پہلے بھی کوئی واردات کر چکے ہیں جناب۔" ظفر قادری نے پوچھا۔

"ہاں، بالکل یہی بات ہے — شاید آپ نے اخبار میں خبر نہیں پڑھی۔"

"جی نہیں — چوری چکاری کی خبروں کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ صرف سیاسی اور بین الاقوامی خبریں پڑھتا ہوں۔" اس نے کہا۔

وہ تجوری والے کمرے میں آئے — تجوری کو مکمل طور پر صفایا کر دیا گیا تھا۔

"صرف نقدی اور زیورات ہی چوری ہوئے ہیں؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"کیا کہہ رہی ہیں — انہوں نے تو ٹیپ ریکارڈر اور ٹی وی سیٹ تک نہیں چھوڑے۔ تقریباً پانچ لاکھ روپے کے نقصان کا اندازہ لگا چکا ہوں۔" ظفر قادری بولا۔

"تب آپ زیورات اور بہت سی نقدی گھر میں رکھنے کے عادی ہوں گے؟"

"جی ہاں، زیورات کی آئے دن ضرورت پڑتی رہتی ہے، میں انہیں بنک میں نہیں رکھتا۔"

تجوری میں وہ کاغذ اسی طرح رکھا تھا۔ انہوں نے اٹھا کر دیکھا، اس پر لکھا تھا، "انسپکٹر جمشید کے منہ پر دوسرا طمانچہ۔" کچھ سوچ کر انہوں نے جیب سے گھوڑوں کی تفصیل والا کاغذ نکالا — دونوں کو ایک ساتھ رکھ کر جائزہ لیا گیا اور فوراً ہی انہوں نے جان لیا کہ دونوں تحریریں ایک ہی ہاتھ کی ہیں —

وہی تینوں

"مہربانی فرما کر تفصیل بتائیے، چور اندر کس طرح داخل ہوئے۔ کیا آپ نے کسی شخص کو ملازم رکھا تھا؟"

"میں عرض کرتا ہوں — کل کوئی شخص بجلی کا میٹر دیکھنے اندر داخل ہوا تھا، لیکن پھر نہ جانے کیا ہوا کہ پوری کوٹھی کی بتیاں بجھ گئیں — میٹر دیکھنے والے نے کہا کہ شاید فیوز اڑ گیا ہے۔ اگر آپ کے پاس تار کا کوئی ٹکڑا ہے تو لائیے، میں فیوز لگا دوں — ہم نے اسے تار کا ٹکڑا مہیا کیا۔ اس نے کٹ آؤٹ نکال کر دیکھا تو فیوز نہیں اڑا تھا — یہ دیکھ کر اس نے کہا:

"کوئی اور خرابی واقع ہو گئی ہے — لائیے، میں اپنے محکمے کے دو آدمیوں کو فون کر دوں۔"

ہمیں بھلا اور کیا چاہیے تھا کہ بیٹھے بٹھائے بجلی کی مرمت ہو جائے۔ اس نے فون کیا تو تھوڑی دیر بعد مستریوں والے تھیلے کندھوں سے لٹکائے دو آدمی آ گئے۔ انھوں نے اپنا کام شروع کیا۔

یہ شام کا واقعہ ہے۔ آخر ایک گھنٹے بعد کہیں وہ سراغ لگا سکے کہ کس جگہ نقص ہے۔ انھوں نے نقص دور کر دیا، کوٹھی روشن ہو گئی۔ میں نے انھیں چائے وائے پلائی۔ مرمت کا معاوضہ دینا چاہا، لیکن وہ کچھ لیے بغیر رخصت ہو گئے — صبح ہم سب دیر سے جاگے اور جاگنے پر معلوم ہوا، ہمارے ہاں چوری ہو چکی ہے، تک، کیا وہ تینوں ہی چور تھے؟"

"ہاں جناب، ان تینوں نے ایک روز پہلے خان رحمان کے ہاں چوری کی واردات کی ہے۔ وہاں بھی وہ اسی طرح دن کے وقت گھر میں داخل ہو گئے تھے۔" یہ کہہ کر انھوں نے تفصیل سنا دی، اب لے دے کے ان کے پاس چوروں میں صرف ایک کی تحریر کا نمونہ تھا — دونوں کاغذ انھوں نے اکرام کے حوالے کرتے ہوئے کہا:

"اکرام، پورے ریکارڈ کو چیک کیا جائے۔ اس شخص کا کوئی سابقہ ریکارڈ تو نہیں ہے۔"

"جی بہت بہتر۔" اس نے فوراً کہا۔

اور وہ گھر لوٹ آئے — کر بھی کیا سکتے تھے۔ اس کیس میں کافی بے بسی محسوس کر رہے تھے — اسی شام، بیگم شیرازی ان کے ہاں آئیں اور بولیں:

"میرے مرحوم شوہر کے چند دوست دوسرے شہر سے آئے ہیں،

میں نے ان کی دعوت کا انتظام کیا ہے۔ مہربانی فرما کر آپ لوگ بھی شرکت کریں، مجھے بہت خوشی ہو گی۔"

اور انہیں بیگم شیرازی کی دعوت قبول کرنا پڑی۔ دعوت رات کے کھانے کی تھی۔ وہ وقت پر پہنچ گئے۔ انہوں نے دیکھا، کھانے کی میز پر تین نوجوان شریف صورت آدمی بیٹھے تھے۔

"شیرازی مرحوم کے دوستوں سے پہلی بار ملاقات ہو رہی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"یہ پہلی مرتبہ ہی آئے ہیں۔ میں بھی ان سے پہلے کبھی نہیں ملی۔" بیگم شیرازی بولیں۔

"اوہو اچھا، پھر کس طرح معلوم ہوا کہ یہ آپ کے مرحوم شوہر کے دوست ہیں۔"

انہوں نے ہی آ کر بتایا تھا، شیرازی صاحب کے بارے میں بے شمار باتیں انہوں نے بتائیں، لہٰذا مجھے یقین کرنا ہی پڑا کہ یہ واقعی ان کے دوست رہے ہیں۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

کھانے کے دوران بھی وہ گہری سوچ میں غرق رہے۔ شیرازی کا تعلق ایک جرائم پیشہ گروہ سے تھا۔ وہ انسپکٹر جمشید کے ہاتھوں ہی گرفتار ہوئے تھے، پھر ان پر مقدمہ چلا اور سزا

سنا دی گئی۔ چند سال پہلے جیل میں ان کا انتقال ہو گیا تھا اور آج اتنے سال گزرنے پر ان کے دوست ان سے ملنے آئے تھے، یہ بتانے کو کہ وہ شیرازی کے دوست تھے۔ جوں جوں وہ سوچتے گئے۔ ان کا ذہن الجھتا گیا۔ آخر کھانا ختم ہوا۔

انہوں نے بیگم شیرازی سے اجازت لی اور اپنے گھر آ گئے۔

"کیوں بھئی، کیا خیال ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کھانا پُر لطف تھا۔" فاروق بولا۔

"بیگم شیرازی کھانا واقعی بہت اچھا بناتی ہیں۔" بیگم جمشید نے بھی تائید کی۔

"دیکھیے، امی جان کو بھی شامل کر لیا اپنے ساتھ۔" فرزانہ جل بھن کر بولی۔

"میں ان تینوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں، نہ کہ کھانے کے بارے میں۔" انسپکٹر جمشید نے بُرا سا منہ بنایا۔

"اوہ، تب تو مجھے افسوس ہے۔ میں غلط سمجھا تھا۔ ان کے بارے میں عرض ہے کہ بہت ہی شریف نوجوان ہیں۔ میں نے اتنے شریف صورت نوجوان آج تک تو دیکھے نہیں، مستقبل قریب میں دیکھنے پڑ جائیں تو کچھ کہہ نہیں سکتا۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں، تینوں بہت شریف صورت نظر آ رہے تھے، لیکن ایسا نظر نہیں آتا، کیونکہ اگر وہ تینوں شیرازی

کے دوست واقعی رہے ہیں — تب بھی اس کا تعلق جرائم پیشہ گروہ سے تھا؛ گویا ان تینوں کا تعلق اسی گروہ سے ہے۔"

"اوہو، اس پہلو کی طرف تو ہم نے دھیان دیا ہی نہیں۔" محمود نے چونکتے ہوئے انداز میں کہا۔

"بلکہ تم نے تو ان کے چہروں کو بغور نہیں دیکھا ہوگا — مجھے وہ وہی تینوں نظر آئے ہیں۔" انہوں نے پُراسرار انداز میں کہا۔

"وہی تینوں، کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ کہیں یہ وہی تینوں تو نہیں ہیں، جنہوں نے تمہارے انکل خان رحمان کے ہاں اور پھر ظفر قادری کے ہاں چوری کی وارداتیں کی ہیں۔"

"اف تو آپ، آپ کا خیال ہے، یہ وہی تینوں ہیں؟" فرزانہ چونک کر بولی۔

"ہاں، اور آج کی رات بیگم شیرازی کے گھر کا صفایا کرنے کا پروگرام بنا چکے ہیں۔" انہوں نے کہا۔

تینوں حیرت زدہ رہ گئے اور انسپکٹر جمشید کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے —

"خیر تو ہے، اس طرح کیوں گھور رہے ہو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"آپ ان تینوں سے بھی عجیب ہیں ابا جان۔" فرزانہ نے حیرت بھری آواز میں کہا۔

"یہ نتیجہ تم نے کس طرح نکالا۔" وہ بولے۔

"اگر آپ نے انہیں پہچان لیا تھا تو گرفتار کیوں نہیں کیا؟"

"اس طرح گرفتار کر کے کیا خاک لطف آتا — ہم انہیں رنگے ہاتھوں پکڑیں گے۔"

"کیا مطلب، کیا آپ انہیں عین چوری کرتے وقت گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"ہاں بھئی، اس طرح تو وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم وہ نہیں ہیں، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"ہوں، شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

"اب یہ معلوم نہیں کہ وہ تینوں کس وقت رخصت ہوں گے، کہیں رات یہیں ٹھہرنے کا ارادہ تو نہیں ان کا۔"

"فکر نہ کرو، ہم تھوڑی دیر بعد فون کر کے معلوم کر لیں گے۔"

چنانچہ ایک گھنٹے بعد انسپکٹر جمشید نے بیگم شیرازی کے نمبر ملائے اور دوسری طرف سے بیگم شیرازی کی آواز سن کر راز دارانہ لہجے میں بولے:

"میں انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔ میری آواز سن کر آپ اپنے منہ سے میرا نام نہ ادا کریں — کیا آپ کے مہمان جا چکے ہیں — صرف ہاں یا نہ میں جواب دیں۔"

"جی ہاں!" دوسری طرف سے حیرت بھرے لہجے میں کہا گیا۔

"تو وہ جا چکے ہیں — خیر پھر تو آپ کھل کر بات کر سکتی ہیں مگر نہیں۔ ٹھہریے، ہم خود ہی آ رہے ہیں، بیٹھ کر بات کریں گے۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے اور ریسیور رکھ دیا۔

"آؤ بھئی، وہ تینوں جا چکے ہیں۔ ہم ذرا بیگم شیرازی کے گھر کا جائزہ لے آئیں کہ وہ کیا کر گئے ہیں اور ان کے واپس آنے کا پروگرام ہے یا نہیں — یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ میرا اندازہ بالکل غلط ہو۔"

"بالکل غلط ابا جان۔" فاروق بول اٹھا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"آپ کی یہ بات بالکل غلط ہے، کیونکہ ہم نے آج تک آپ کا اندازہ غلط ہوتے نہیں دیکھا۔" اس نے کہا۔ انسپکٹر جمشید مسکرا دیے، پھر بیگم سے بولے:

"بیگم، دروازے اور کھڑکیاں اندر سے بند کر لو۔ میں ذرا خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔"

"اگر آپ ذرا خطرہ محسوس کر رہے ہیں تو پھر تو کوئی بڑا خطرہ

بھی ہو سکتا ہے۔" انہوں نے چونک کر کہا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ہم بیگم شیرازی کے ہاں موجود ہیں۔ اگر کوئی گڑبڑ محسوس کرو تو ہمیں فوراً فون کر دینا۔"

"اور اگر فون میں کوئی خرابی ہو گئی یا تار کاٹ دیے گئے؟" بیگم جمشید نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ویری گڈ بیگم، شاید تمہاری بھی جاسوسی رگ پھڑکنے لگی ہے۔ کیوں نہ ہو، خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ خیر اگر فون کے تار کٹ جائیں یا کوئی خرابی ہو جائے اور تم خطرہ محسوس کرو تو میز کی دراز میں سے میرا پستول نکال کر تین چار ہوائی فائر باہر کی طرف کر دینا۔ آواز ہمارے کانوں تک ضرور پہنچے گی۔"

"ہاں، اور کسی کے کانوں تک پہنچے نہ پہنچے، فرزانہ کے کانوں تک ہر حال میں پہنچے گی۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"میرے کانوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑنے کی ضرورت نہیں۔"

"گویا تم تو کبھی میری زبان کے پیچھے پڑی ہی نہیں۔"

"ارے ارے، تم دونوں میری ذات کو بھول رہے ہو۔" محمود نے گویا یاد دلایا — اور چاروں مسکراتے ہوئے باہر نکل آئے۔ بیگم جمشید نے دروازہ بند کر لیا — اسی وقت ان کے کانوں سے موذن کی آواز ٹکرائی اور انہوں نے سوچا، بیگم شیرازی کے ہاں جانے سے پہلے نماز ادا کر لی جائے، چنانچہ ان کے قدم آگے

بڑھ گئے۔ بیگم شیرازی اور بیگم جمشید اب اپنے اپنے گھر میں بالکل تنہا رہ گئیں۔ بیس منٹ بعد انھوں نے بیگم شیرازی کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ فوراً ہی کھلا۔

"میرا تو خیال تھا، آپ فون کرنے کے فوراً بعد ہی آجائیں گے۔"

"ہم نماز پڑھنے چلے گئے تھے، یہاں آکر جو جانا پڑتا۔" محمود نے کہا۔

"آئیے، تشریف لے آئیے۔ آپ کے فون کرنے کا انداز بہت پر اسرار تھا۔ کیا آپ کوئی خطرہ محسوس کر رہے ہیں؟"

"ہاں، آپ نے شہر میں ہونے والی چوری کی دو وارداتوں کا حال تو اخبار میں پڑھ ہی لیا ہوگا۔ یہ دونوں وارداتیں تین چوروں نے مل کر کی ہیں۔ ہم ان تینوں سے خان رحمان کے ہاں ملاقات کر چکے ہیں۔ اتفاق سے ہم آپ کے مہمانوں کو بھی دیکھ چکے ہیں، لہٰذا میرا خیال یہ تھا کہ یہ وہی تینوں ہیں اور آج آپ کے گھر واردات کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"نہیں۔" بیگم شیرازی خوف زدہ لہجے میں بولیں۔

"میرا یہ خیال غلط بھی ہو سکتا ہے، لیکن اس کی تصدیق ابھی چند منٹ میں ہو جائے گی۔ ہم گھر کا جائزہ لیں گے۔"

"ضرور لیجیے۔"

انھوں نے پورے گھر کا جائزہ لیا اور پھر ایک کمرے کی کھڑکی کے پاس رک گئے۔ یہ کھڑکی پچھلی گلی میں کھلتی تھی اور اس میں سلاخیں بھی لگی ہوئی تھیں، لیکن ان کے خیال کے مطابق یہ سلاخیں اس وقت کٹی ہوئی تھیں۔ جب انھوں نے بیگم شیرازی کو یہ چیز دکھائی تو مارے خوف کے ان کا بُرا حال ہو گیا۔

"اف خدا، اگر میں آپ لوگوں کو دعوت میں نہ بلاتی تو کیا ہوتا۔"

"جی بس وہی ہوتا جو خدا کو منظور ہے۔" فاروق نے کہا۔

"اب کیا کیا جائے؟"

"کچھ بھی نہیں — اب آپ آرام کریں، انھیں ہم دیکھ لیں گے۔ اب بھی وہی ہوگا جو خدا کو منظور ہوگا۔"

"آرام، بھلا ان حالات میں آرام کی کیسے سوچ سکتی ہے۔ میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ رہوں گی۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"آپ کو شاید ڈر لگ رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں، لگ تو رہا ہے۔" انھوں نے لرزتی آواز میں کہا۔

"ہمارے ہوتے آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" محمود نے کہا۔

"اور آپ لوگ شکیلہ بہن کو اکیلا چھوڑ آئے ہیں۔"

"ادھر کوئی خطرہ نہیں ہے — پھر بھی ہم انہیں خبردار کر آئے ہیں اور خطرے کی صورت میں کیا کرنا ہے، یہ بھی بتا آئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور ابا جان، کیا آپ انکل اکرام کو اطلاع نہیں کریں گے، تاکہ وہ بھی بر وقت پہنچ جائیں — آخر مجرموں کو گرفتار کر کے لے جانے کا مسئلہ بھی تو ہے۔"

"وہ بعد میں کر لیں گے۔"

"گویا اب ہمیں مجرموں کا انتظار کرنا ہے اور بس۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں، بالکل۔"

"اس کا مطلب ہے، ہم گپ شپ لگانے کے لیے بالکل آزاد ہیں۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

"پہلے کون سا قید ہو۔" انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا —

"کیا آپ کو یقین ہے، وہ ضرور آئیں گے۔"

"وہ لے کا انتقام کرنے گئے ہیں، نہ آنے کا کیا کام۔" وہ بولے۔

"مجھے حیرت تو یہ ہے کہ آنٹی نے انہیں شیرازی مرحوم کا دوست کس طرح تسلیم کر لیا۔" فرزانہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

"مجھے اپنے مجرم شوہر سے کوئی دلچسپی نہیں، بلکہ اب تو میں اس کے نام سے بھی نفرت کرتی ہوں۔ وہ ملک کا غدار تھا۔ ان لوگوں نے جب آ کر بتایا کہ وہ اس کے شوہر کے دوست ہیں تو میں نے انہیں اسی وقت گھر سے نکل جانے کا حکم دیا اور کہہ دیا کہ مجھے اپنے مجرم مرحوم شوہر کی ذات سے ذرا بھی لگاؤ نہیں، لیکن اس پر انہوں نے بتایا کہ وہ تو اس کے اس وقت کے دوست ہیں، جب وہ مجرم نہیں بنا تھا — اور یہ کہ اس کی مجرمانہ زندگی کے بارے میں انہیں کچھ بھی معلوم نہیں، بلکہ انہوں نے شیرازی کے ساتھ کھنچوائی ہوئی اپنی تصویر بھی دکھائی — ارے ہاں، یاد آیا — تصویر تو وہ یہیں چھوڑ گئے ہیں۔" انہوں نے چونک کر کہا۔

"اوہو، اچھا — ذرا دکھائیے تو۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی سے کہا۔

بیگم شیرازی اندرونی کمرے میں گئیں اور تصویر اٹھا لائیں۔ انہوں نے دیکھا، تصویر میں تین نوجوان شیرازی کے ساتھ کھڑے تھے۔ یہ تینوں وہی تھے، جنہیں وہ دعوت میں دیکھ چکے تھے۔ اگرچہ تصویر کئی سال پرانی تھی، پھر بھی وہ صاف پہچانے جا رہے تھے —

اس تصویر کو دیکھ کر انسپکٹر جمشید کسی گہری سوچ میں گم ہو گئے اور پھر ان کے ہاتھ خود بخود ریسیور کی طرف بڑھ گئے۔

چوریوں کا سلسلہ

"ہیلو اکرام، میں اس وقت بیگم شیرازی کے ہاں موجود ہوں۔ مہربانی فرما کر فوراً یہاں پہنچو اور ریکارڈ سیکشن کے عملے سے کہو، فوراً ڈیوٹی پر آ جائیں۔ ایک ضروری معاملہ ہے۔"

"جی بہتر۔ میں ہدایات دینے کے بعد آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"خیر تو ہے ابا جان، آپ کچھ سنجیدہ ہو گئے ہیں۔" فرزانہ نے ان کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور ایسا یہ تصویر دیکھ کر ہوا ہے۔" محمود بولا۔

"ہاں، تم دونوں کا خیال ٹھیک ہے۔"

"خیال تو غلط صرف میرا ہی ہو سکتا ہے، تاہم میں اس موقعے پر خاموش نہیں رہ سکتا۔ کیا ان تینوں کا تعلق واقعی شیرازی صاحب سے رہا ہے؟" فاروق نے مسمسی صورت بنائی۔

"ہاں، میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔ تم تو جانتے ہی ہو بہت

عرصے کی بات ہے، جب میں اس گروہ کے پیچھے لگا تھا، تم بھی اس معاملے میں الجھ گئے تھے - میں نے گروہ کو گرفتار کرا دیا تھا۔ اور تم نے اس کے سرغنہ کو، یعنی شیرازی کو - ایسا معلوم ہوتا ہے، ان تینوں کا تعلق اسی گروہ سے ہے، یعنی سمگلروں کے گروہ سے - یا تو یہ اس وقت گرفتار نہیں ہوئے تھے یا پھر جیل سے رہا یا فرار ہوئے ہیں، لیکن حیرت تو یہ ہے کہ انھوں نے سمگلنگ کی بجائے چوری کی وارداتیں کیوں شروع کر دیں، وہ بھی اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد - ٹھہرو، میں سپرنٹنڈنٹ جیل سے بات کروں -" یہ کہہ کر انھوں نے فون کا ریسیور اٹھایا اور نمبر ملانے لگے - جلد ہی سلسلہ مل گیا اور وہ بولے:

"ہیلو، انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں، سپرنٹنڈنٹ صاحب کو فون دیں - ہیلو غازی صاحب، سنائیے، کیا حال ہے، شیرازی کیس کے کچھ مجرم حال ہی میں رہا تو نہیں ہوئے - جی نہیں، کیا کوئی فرار تو نہیں ہوا - نہیں - اچھا - بہت بہت شکریہ - بس یہی معلوم کرنا تھا -" انھوں نے ریسیور رکھ دیا اور ان کی طرف مڑے:

"اس گروہ کے تمام مجرموں کو مختلف جیلوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا - کم از کم ہمارے ہاں کی جیل سے کوئی قیدی فرار نہیں ہوا اور نہ ابھی تک ان میں سے کوئی رہا کیا گیا، کسی دوسری جیل کے بارے میں انھیں کچھ معلوم نہیں - وہ جلد ہی ان

جیلوں کے نام مجھے فون پر بتائیں گے، جن جن میں اس گروہ کے قیدی بھیجے گئے تھے۔"

"گویا انہیں بھی فون کرنا ہوگا۔"

"ہاں، اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

ٹھیک پانچ منٹ بعد انہیں فون موصول ہوا اور وہ جیلوں کے نام نوٹ کرنے لگے، پھر سلسلہ کاٹ کر ایک جیل کے نمبر ملائے، اسی طرح باری باری نمبر ملاتے چلے گئے اور سوالات کرتے گئے۔ آخر ریسیور رکھ کر بولے:

"تین جیلوں سے تقریباً نو قیدی ایک ماہ پہلے رہا کیے گئے ہیں، وہ اپنی سزا کاٹ چکے ہیں - اب ان کی تصویر ان تینوں جیلوں کو بھیجنا ہوگی، تاکہ وہ بتا سکیں کہ یہ کس جیل سے رہا ہوئے ہیں اور ان کے نام کیا ہیں؟"

"اتنی باتیں معلوم ہو جانے کے باوجود میں حیران ہوں، ان لوگوں کو چوریاں کرنے کی کیا ضرورت تھی -" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"اس کا جواب تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی بھی کام کرنے کے لیے سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے - وہ جیل سے رہا ہوئے ہیں، ان کے پاس سرمایہ تو ہوگا نہیں، لہٰذا چوریاں کر کرکے سرمایہ اکٹھا کر رہے ہیں، تاکہ پھر سمگلنگ شروع کر سکیں، اب

ان لوگوں کو یہ موقع کون دے کہ اب تم لوگ جیل سے رہا ہوتے
ہو تو اچھے کام کرو۔ جرم کا راستا چھوڑ دو، تاکہ پھر کبھی جیل
کا منہ نہ دیکھ سکو۔" فرزانہ بولی۔

"لیکن، اگر انہیں صرف سرمایہ جمع کرنا تھا تو آ! جان کو
چیلنج کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" فاروق نے الجھن سی محسوس
کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ایک اہم سوال ہے۔" انسپکٹر جمشید فوراً بولے۔ "اور
اس سوال کے جواب میں پورے کیس کا حل موجود ہے۔"

"جی کیا مطلب؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔ محمود اور
فرزانہ کی حیرت میں بھی اضافہ ہو گیا۔

"گویا تمہیں خود بھی معلوم نہیں کہ تم نے کس قدر اہم
سوال پوچھ ڈالا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"سچ ابا جی۔ نہیں تو۔ میں نے تو بس یونہی سوچے سمجھے
بغیر سوال کر ڈالا تھا۔" فاروق بوکھلا کر بولا۔

"خیر ابھی اس سوال پر وضاحت کا وقت نہیں آیا۔ پہلے
ہمیں مجرموں کو گرفتار کرنا ہے....."

ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے، کیونکہ اسی وقت دروازے
کی گھنٹی بج اٹھی۔ محمود اٹھا ہی تھا کہ انسپکٹر جمشید بول اٹھے:

"نہیں محمود، یہ فریضہ آج تم ادا نہیں کرو گے۔"

یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف چلے گئے اور بولے:

"کون ہے؟"

"یہ میں ہوں سر۔" باہر سے اکرام کی آواز سنائی دی۔

انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ اکرام کے اندر داخل ہونے
کے بعد دروازہ پھر بند کرتے ہوئے وہ مڑے، پھر اندر کی طرف
چلتے ہوئے اکرام کو مختصر طور پر حالات سے آگاہ کرنے لگے۔
اندر آ کر انہوں نے وہ تصویر اکرام کو دی اور بولے:

"طرازی کیس میں ان تینوں کو گرفتار کیا گیا تھا۔ اس تصویر کی
جلد از جلد کاپیاں تیار کرا لو اور ان جیلوں کو ایک ایک
تصویر بھیج دو۔ امید ہے، صبح تک جواب موصول ہو جائیں گے۔"

"جی بہتر، آپ فکر نہ کریں۔" اس نے کہا اور تصویر لے
کر واپس چلنے لگا۔

"اکرام، یہاں کے حالات میں خود سنبھال لوں گا۔ بس تم
اس تصویر کے بارے میں رپورٹیں جلد از جلد حاصل کرنے کی
کوشش کرو۔"

"جی بہتر۔" اکرام نے کہا اور چلا گیا۔ انسپکٹر جمشید نے گھر
کے نمبر ملائے اور بولے:

"ہیلو بیگم کیا حال ہے؟"

"سب خیریت ہے، آپ سنائیں۔"

"ادھر بھی ابھی تک سب خیریت ہے، لیکن چور ضرور آئیں گے۔ وہ اپنی آمد کا بندوبست کر گئے ہیں۔"

"گویا ادھر کوئی خطرہ نہیں؟" بیگم نے پوچھا۔

"نہیں بے فکر رہو۔"

"در اصل میں اس لیے پوچھ رہی تھی کہ نیند محسوس کر رہی ہوں۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے۔ عشا کی نماز کے فوراً بعد سو جانے کے عادی ہیں ہم لوگ۔ صبح کی نماز کے لیے جو اٹھنا ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے، تم بے فکر ہو کر سو جاؤ۔ بس دروازے اندر سے بند رہنے دینا۔ ہمیں تو شاید آج تمام رات جاگنا ہوگا۔" انھوں نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ، بس میں تو سمجھیے سو گئی۔"

"اچھی بات ہے، سمجھ لیا۔" انھوں نے مسکرا کر کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

دو گھنٹے بعد اکرام کی طرف سے رپورٹ موصول ہوئی:

"ہیلو سر، ان تینوں کا تعلق مراد جنگ کی جیل سے ہے۔ انہیں پچھلے ۱۰ رہا کیا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ پولیس کو نظر نہیں آئے۔"

"کیا یہ تینوں ہم شکل ہیں؟"

"جی نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔"

"حیرت ہے، پھر یہ خان رحمان کے ہاں ہم شکل کیوں نظر آئے تھے۔ کیس ہر لمحے الجھتا ہی جا رہا ہے اور میری پریشانی میں اضافہ ہو رہا ہے۔" انھوں نے بے چین ہو کر کہا۔

"اگر ایسی بات ہے تو میں ماتحتوں کو لے کر آ جاتا ہوں۔"

"نہیں، اس طرح مزا نہیں آئے گا۔ میں چاہتا ہوں، وہ یہاں پہنچ جائیں۔ باہر تم لوگوں کو دیکھ کر، تو وہ ادھر کا رخ ہی نہیں کریں گے۔"

"بہت بہتر، جیسے آپ کی مرضی۔ میری جب بھی ضرورت ہو، فون کر دیں، فوراً پہنچ جاؤں گا۔ آج رات میں بھی نہیں سو سکتا۔"

"اچھی بات ہے۔"

"کیا ہم جنگ کی تیاری کر لیں ابا جان؟"

"ہاں بھئی، کچھ نہیں کہا جا سکتا، حالات کیا رخ اختیار کریں۔ یہ لوگ بھی کچھ کم چالاک نہیں ہیں، اس لیے تمہیں ہر طرح تیار ہونا چاہیے۔"

"جی بہتر۔ آؤ بھئی ذرا ہم اپنے مورچوں کا جائزہ لے لیں۔" محمود نے اٹھتے ہوئے کہا، لیکن اسی وقت بیگم شیرازی

چائے کی ٹرے لے آئیں۔

"ارے! آنٹی یہ کیا؟"

"جب رات بھر جاگنے کا پروگرام ہو تو چائے مددگار ثابت ہوتی ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا اور انہیں چائے پینا پڑی۔ اس کے بعد وہ وہاں سے اٹھ کر کھڑکی والے کمرے میں آ گئے۔

"اس میں تو کوئی شک نہیں کہ مجرم اسی کھڑکی کے ذریعے مکان میں داخل ہوں گے۔ ہم فوری طور پر انہیں پکڑنا بھی نہیں چاہتے، پھر بھلا ہم کیا کریں گے۔" محمود نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بس ان کا منہ تکیں گے۔" فاروق نے کہا۔

"وہ صرف تم تکنا — ہم ان کے خلاف کوئی قدم اٹھائیں گے۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"خیر تو ہے، آج کل جلنے کے سابقہ ریکارڈ توڑتی نظر آتی ہو۔" فاروق بولا۔

"معلوم ہو گیا، اب یہ حضرت کام کی کوئی بات نہیں کرنے دیں گے — آؤ فرزانہ، ہم چپ سادھ لیں۔" محمود نے بھی جل بھن کر کہا۔

"تو اس کے لیے کہیں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ چپ تو تم میرے پاس رہ کر بھی سادھ سکتے ہو۔ یقین جانو، میں چپ

سادھنے پر کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"تمہاری زبان سے تو بس خدا ہی سمجھے گا۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"وہ تو ایک دن سبھی کی زبانوں کو سمجھے گا — اف خدا، وہ دن بھی کس قدر سخت ہو گا......" فاروق نے کانپ کر کہا۔

"سنو فرزانہ، میری ترکیب یہ ہے۔" محمود نے جلدی سے کہنا چاہا، لیکن فاروق نے پھر جملہ کاٹ دیا۔

"لو اور سنو، فرزانہ کو ترکیب سنائی جا رہی ہے یعنی الٹے بانس بریلی کو — ارے میاں، ترکیب فرزانہ سے سنو — بھلا اس کے مقابلے میں تم کیا ترکیب سناؤ گے۔ ترکیبیں تو پانی بھرتی ہیں فرزانہ کے آگے، لہٰذا اسی سے ترکیب سنو۔"

"دھت تیرے کی — جہاں فاروق ہو، وہاں کام کی بات کا کیا دخل؟" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"میں فاروق ہوں، شیطان نہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"تمہارے لیے شیطان سے کم بھی نہیں۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"لو اب خود کو ہی لاحول پڑھ کر بھگانے لگے — تم وہ شیطان کہاں، جو لاحول ولا قوۃ سے ڈر کر بھاگ جائے، تم تو بہت

ڈھیٹ...." فرزانہ جلے بھنے انداز میں کہتی جا رہی تھی کہ فاروق چلا اٹھا۔

"خبردار جو تم نے مجھے شیطان کہا — وہ بھی ڈھیٹ شیطان — غضب خدا کا۔"

"اب ہم تمہیں شریف شیطان تو کہنے سے رہے۔" فرزانہ بولی۔

"شریف شیطان" محمود کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔ اسی وقت انسپکٹر جمشید بوکھلائے ہوئے انداز میں دروازے پر نمودار ہوئے —

"خیر تو ہے بھئی، کہیں تم لڑ جھگڑ تو نہیں رہے تھے؟"

"آپ نے یہ شاندار اندازہ کس بات سے لگایا ابّا جان؟" محمود خوش ہو کر بولا۔

"تم لوگوں کی اونچی اونچی آوازیں سن کر۔" وہ بولے۔

"جی، وہ، وہ تو ہم کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"لیکن کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے اتنے شور شرابے کی ضرورت تو نہیں ہوتی۔" وہ بولے۔

"جی ہاں، واقعی اتنے شور شرابے کی ضرورت نہیں ہوتی۔" فاروق فوراً بولا —

"کیا مطلب؟ کیا، تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تھوڑے بہت شور شرابے کی ضرورت ہوتی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔

"اوہ سوری ابّا جان، مم، میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" فاروق گڑبڑا گیا۔

"خیر، تو تم اس وقت تک کس نتیجے پر پہنچے ہو؟"

"جی بس، کسی پر بھی نہیں — ہمارے سامنے ابھی کوئی نتیجہ آیا ہی نہیں کہ ہم اس پر پہنچ پاتے۔" محمود بولا۔

"خیر خیر، غور کرو اور چوکس رہو — آپس میں جھگڑنے سے طاقت کم ہوتی ہے۔ میں چلا، ذرا پوری کوٹھی کا ایک چکر لگا لوں۔"

"ابّا جان، کیا آپ باہر جا کر چکر لگائیں گے؟"

"نہیں بھئی، کوٹھی کے اندر کا چکر لگاؤں گا۔" وہ بولے اور کمرے سے نکل گئے۔

"تمہاری وجہ سے ہمیں نہ جانے کیسے کیسے دن دیکھنے پڑتے ہیں۔" فرزانہ نے تلملائے ہوئے انداز میں کہا۔

"لیکن اس وقت دن تو نہیں ہے، اس صورت میں تمہیں یہ کہنا چاہیے تھا کہ میری وجہ سے نہ جانے تم دونوں کو کیسی کیسی راتیں دیکھنا پڑتی ہیں۔" فاروق نے شریر انداز میں کہا۔

"اف خدا، یہ ہم کس مصیبت میں پھنس گئے۔ ہماری مدد فرما، ہم پر رحم کر۔"

"ہائیں ہائیں فرزانہ، تم کیس کو مصیبت کہہ رہی ہو۔ بُری بات ہے" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"کیس کو نہیں، ان حضرت کو"

"یعنی، اب میں مصیبت بھی ہو گیا — نہ جانے میری قسمت میں ابھی کیا کچھ ہونا باقی ہے" فاروق نے منہ بنایا۔

"لاحول ولا قوۃ — آخر ہم کس کی باتوں میں خود کو الجھا ہی بیٹھے — فرزانہ، ہمیں جنگ کی تیاری کرنی ہے — وقت ضائع کرنے پر کہیں ہمیں ہاتھ نہ ملنے پڑیں" محمود نے عاجز آ کر کہا۔

"ٹھیک ہے، اب ہم دونوں نہ تو اسے اس کی کسی بات کا جواب دیں گے اور نہ اس سے کوئی بات کریں گے — یہ وعدہ رہا"

"منظور" محمود بولا۔

فاروق اٹھا اور کمرے سے جانے لگا۔ محمود سے رہا نہ گیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"اب میرا یہاں کیا کام رہ گیا، جہاں نہ مجھ سے بات کی جائے نہ میرے سوال کا جواب دیا جائے، وہاں بھلا میرا کیا کام — میں کہیں اور ہی بھلا"

وہ بے بسی کے انداز میں مسکرا دیے۔ انہیں فاروق کو روکنا پڑا۔ اس کے بغیر بھی تو ان کا جی نہیں لگتا تھا — اور پھر وہ

واقعی سنجیدگی سے جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ وقت گزرتا چلا گیا۔ اور پھر تمام رات گزر گئی، چور نہیں آئے — وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ چور نہیں آئیں گے — آخر دن نکلنے پر کھڑکی اور دروازے اندر سے بند رکھنے کی ہدایت کرتے ہوئے وہ اپنے گھر کے دروازے پر آئے — دستک دی تو دروازہ خود بخود کھل گیا۔ وہ دھک سے رہ گئے۔ دوڑ کر اندر پہنچے اور پھر انہیں یہ بات معلوم ہوئی کہ جن لوگوں کا انتظار وہ بیگم شیرازی کے گھر میں کرتے رہے تھے، وہ تو ادھر مصروف عمل تھے۔ بیگم جمشید اپنے کمرے میں بندھی ہی تھیں — تجوری کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اور اس میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں چھوڑی گئی تھی — قیمتی چیزیں بھی غائب تھیں — ابھی وہ بیگم جمشید کو کھول ہی پائے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی —

انسپکٹر جمشید نے فوراً ریسیور اٹھایا، اور کان سے لگاتے ہوئے بولے:

"انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں"

"تو آپ بیگم شیرازی کے گھر سے اپنے گھر میں آ چکے ہیں" ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی۔

"ہاں، تمہارا اندازہ ٹھیک ہے"

"آپ نے مجھے پہچان تو لیا ہو گا؟"

"ہاں، اس میں کیا شک ہے۔" انہوں نے منہ بنایا۔
"کیا خیال ہے؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔
"کس بارے میں؟" انہوں نے پوچھا۔
"رات کی واردات کے بارے میں" کہا گیا۔
"اچھی تھی، لیکن تم میرے گھر میں داخل کس طرح ہوئے؟"
"پائیں باغ کے ایک درخت کی شاخ کے ذریعے۔ اس شاخ ہی پر چڑھ کر دوسری طرف آنکڑا بندھی رسی پھینکی گئی جو نہایت آسانی سے پھنس گیا۔ آپ کی بیگم اس وقت سو چکی تھیں، لہٰذا ہمارا کام بالکل آسان ہو گیا۔"
"ہوں، تم لوگ چاہتے کیا ہو۔ یہ تو میں تمہارے بارے میں معلوم کرا چکا ہوں کہ تم دراصل شیرازی گروہ کے رکن تھے اور ابھی ایک ماہ پہلے جیل سے رہا ہوئے ہو۔"
"کمال ہے، اتنی جلدی معلوم بھی کرا لیا۔ خیر، اور کچھ؟"
"یہ اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے کہ تم نئے سرے سے سمگلنگ کا گروہ ترتیب دینے کے لیے سرمایہ جمع کر رہے ہو اور اس غرض کے لیے تم نے چوریوں کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ تمہارے پاس سلاخیں کاٹنے کا جدید ترین اوزار کہاں سے آ گیا۔ ابھی تک اتنا منفرد سا اوزار ہمارے ملک میں تو دیکھنے میں آیا نہیں۔ یہ ضرور غیر ملکی

اوزار ہے۔ میرے ذہن میں صرف یہ سوال ہل چل مچا رہا ہے کہ کیا جیل سے نکلتے ہی تمہیں کسی غیر ملکی کی حمایت حاصل ہو گئی ہے اور تم یہ سب کچھ اس کے اشاروں پر ناچتے ہوئے کر رہے ہو؟" وہ کہتے چلے گئے۔
"میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا، صرف یہ بات سن لو کہ ہم جیل سے رہا ہونے سے پہلے ہی یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ تمہیں تگنی کا ناچ نچائیں گے۔ اتنا کہ ناچتے ناچتے تم بے دم ہو جاؤ، حواس باختہ ہو جاؤ اور یہ دراصل ہم تم سے انتقام لیں گے، کیونکہ یہ تم ہی تھے، جس نے ہمارے گروہ کو درہم برہم کیا، ہمیں جیل جانا پڑا اور اب تو ہمارا سرغنہ بھی جیل میں مر گیا ہے، ہم اس کا انتقام بھی تم سے لیں گے۔ ہمارے انتقام کا ایک ہلکا سا نمونہ تم دیکھ چکے ہو۔ آگے آگے دیکھیے، ہوتا ہے کیا۔"
ان الفاظ کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا۔

خوف ناک جال

انہوں نے فوراً انکوائری کے نمبر ملائے۔ اپنا نمبر بتایا اور کہا:
"فوراً چیک کیا جائے، اس نمبر پر بات کس نمبر سے کی جا رہی تھی۔"

"جی بہتر" دوسری طرف سے کہا گیا۔ تھوڑی دیر بعد جواب ملا۔

"سکھی روڈ کے ایک پبلک فون بوتھ سے۔"

"اوہ، شکریہ" انہوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ اس وقت تک محمود، فاروق اور فرزانہ جان چکے تھے کہ فون کون کر رہا تھا۔ پھر انسپکٹر جمشید نے فون پر ہونے والی گفتگو انہیں بتا دی۔

"گویا بیگم شیرازی کے ہاں چوری کرنے کا ان کا پروگرام سرے سے تھا ہی نہیں" فرزانہ بڑبڑائی۔

"نہیں، وہ تو صرف ایک دھوکا تھا۔ ارے ہاں، میں نے

اکرام کو فون تو کیا ہی نہیں۔ آخر ہمارے گھر میں چوری کی ایک واردات ہوئی ہے" انہوں نے مسکرا کر کہا اور اکرام کو فون پر چوری کی اطلاع دی۔

"یہ — یہ میں کیا سن رہا ہوں جناب؟" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"جو حقیقت ہے" وہ ہنس کر بولے۔

"لیکن کیا آپ اس چوری کی رپورٹ درج کرائیں گے؟"

"ہاں بھئی، وہ تو کرانا ہی پڑے گی، کیوں؟"

"اس طرح تو لوگ آپ کا بہت مذاق اڑائیں گے۔ اخبارات کیا کیا سرخیاں نہیں جمائیں گے۔"

"اڑانے دو مذاق اور جمانے دو سرخیاں، مجھے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں اور میرے بچے ملک اور قوم کی خدمت اپنی شہرت کے لیے نہیں کرتے، صرف ملک اور قوم کے لیے کرتے ہیں۔"

"ٹھیک، جیسے آپ کی مرضی۔"

سلسلہ بند کر کے انہوں نے بیگم شیرازی کو یہ اطلاع دی۔ ان کی حیرت کا کیا پوچھنا۔ پھر انہوں نے خان رحمان کے نمبر ملائے۔ خان رحمان اس وقت گھر نہیں تھے، لہٰذا ملازم کو پیغام دے کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر اکرام اپنے ماتحتوں کو لے کر وہاں پہنچ گیا۔ رپورٹ درج کی گئی۔ انگلیوں کے نشانات اٹھائے گئے۔

اس وقت تک چوروں نے کسی جگہ بھی ہاتھوں پر دستانے استعمال نہیں کیے تھے. ہر جگہ سے ان کی انگلیوں کے نشانات ضرور ملے تھے اور یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ تینوں وارداتیں ان ہی تینوں نے کی تھیں۔ ایسے میں فرزانہ کو ایک خیال آیا۔

"ابا جان، جیلوں سے تو تقریباً نو آدمی رہا ہوئے ہیں، لیکن ان وارداتوں میں ہر بار صرف تین آدمی سامنے آ رہے ہیں؟"

"ہو سکتا ہے، باقی چھ آدمی ابھی تک ان لوگوں سے ملاقات نہ کر پائے ہوں — یا پھر جیل سے رہا ہونے کے بعد انہوں نے جرائم کی زندگی سے الگ رہنے کا پروگرام بنایا ہو. یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ان میں شامل ہو چکے ہوں اور جس گھر میں چوری کی جاتی ہو، وہ چھ اس گھر کے باہر موجود رہتے ہوں اور چیزیں وغیرہ ان کے حوالے کی جاتی ہوں۔"

"ہوں، واقعی — یہ تینوں باتیں ہو سکتی ہیں. اب سوال یہ ہے کہ ہم کون سے 'ہو سکتا ہے' کو تسلیم کریں. فاروق نے بے بسی کے انداز میں کہا۔

"وحشت تیرے کی، اس شخص سے بھی کہیں پناہ نہیں۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"اب مجھے کیا معلوم تھا کہ تم ان دنوں پناہ کی تلاش میں

ہوئے فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"دیکھا ابا جان، آپ نے دیکھا" فرزانہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولی۔

"تم ابا جان کو کیا دکھانا چاہتی ہو؟" فاروق نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"بات کیا ہو رہی تھی اور تم تینوں کیا لے بیٹھے۔"

"جی ہم تینوں نہیں، صرف فاروق" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"خیر چھوڑو، یہ بتاؤ — اب ہم مجرموں کو کس طرح پکڑیں. رات ہمیں موقع ملا تھا، اسے ہم نے اپنی بے وقوفی سے گنوا دیا۔"

"تو پھر موقع تلاش کر لیتے ہیں" فاروق نے فوراً کہا۔

"ایسے موقعے بار بار نہیں ملا کرتے اور نہ اتنے چالاک مجرم بار بار موقعے دیا کرتے ہیں۔"

"بڑے کنجوس ہیں یہ مجرم لوگ، موقع تک نہیں دیتے۔" فاروق گنگنایا۔

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی، وہ چونک اٹھے. انداز خان رحمان کا تھا — وہ سب کے سب ایک ساتھ دروازے کی طرف بڑھے — جوں ہی دروازہ کھلا، خان رحمان کی ہنسی ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"ہائیں، خان رحمان، تم ہنس رہے ہو" انسپکٹر جمشید بولے

کر بولے۔

"اور کیا کروں، یہ ہنسی کا ہی موقع ہے اور ابھی کیا ہے۔ ابھی تو پروفیسر داؤد بھی آ رہے ہیں ہنسنے کے لیے"

"تو تم انہیں فون کر آئے ہو؟" وہ مسکرائے۔

"اور کیا کرتا۔ اس موقعے پر ہمارا یہاں جمع ہونا بہت ضروری ہے۔ جانے کتنے لوگ تم پر ہنسیں گے۔ اخبارات کس کس رخ سے سرخیاں نہیں جمائیں گے"

"مجھے پروا نہیں"

"لیکن جمشید، آخر یہ ہوا کیسے؟"

اس سے پہلے کہ وہ انہیں اندر لا کر بٹھاتے اور بتاتے کہ یہ سب ہوا کیسے، پروفیسر داؤد بھی آ گئے — وہ بھی ہنس رہے تھے، بس ہنسے جا رہے تھے، پھر جوں ہی ان کی نظر خان رحمان پر پڑی — دونوں ایک ساتھ ہنسے اور پھر تو اس طوفان میں انہیں بھی بہنا پڑ گیا، پھر یک لخت انسپکٹر جمشید سنجیدہ ہو گئے۔

"کیا ہوا جمشید، کیا تمہیں اپنے نقصان کا خیال آ گیا؟"
خان رحمان حیران ہو کر بولے۔

"نہیں خان رحمان، مجھے ایک حدیث شریف یاد آ گئی۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زور سے ہنسنے سے منع فرمایا ہے۔ اس حدیث کے یاد آتے ہی میری ہنسی کا گلا گھٹ گیا"

انہوں نے کہا۔

"وہ پھر تو — پھر تو ہم میں سے کسی کو بھی نہیں ہنسنا چاہیے"

سب یک دم سنجیدہ ہو گئے۔ آخر پروفیسر داؤد بولے:

"آج کے بعد میں کبھی قہقہہ مار کر نہیں ہنسوں گا" ان کے لہجے سے افسوس ٹپک رہا تھا۔

"اور میں بھی" خان رحمان بولے۔

"ہم سبھی آج کے بعد قہقہہ مار کر نہیں ہنسیں گے۔ اسلام نے تو بس ہلکا سا ہنس دینے یا مسکرانے کی اجازت دی ہے۔ ہنسنا دل کو مار دیتا ہے"

شام کے اخبارات نے ان کی امیدوں کے عین مطابق سرخیاں لگائی تھیں۔ انسپکٹر جمشید آج دفتر نہیں جا سکے تھے کیونکہ ہمدردی کرنے والوں نے اس قابل چھوڑا ہی نہیں تھا؛ تاہم اکرام کے ذریعے انہیں یہ اطلاع مل گئی تھی کہ انسپکٹر جیلانی، رضی اور رحمانی نے ان پر دفتر میں سب کے سامنے خوب ہی جملے کسے تھے — یہ سن کر وہ مسکرا دیے اور بولے۔

"مجھے اس کی پروا نہیں کہ لوگ مجھ پر ہنس رہے ہیں، پروا ہے تو صرف اس بات کی کہ مجرم ابھی تک آزاد ہیں۔ دندنا رہے ہیں اور سمگلنگ کا ایک نیا گروہ معرض وجود میں

آنے کو ہے اور یہ چیز کسی طرح بھی خوش آیند نہیں ہے۔"

وہ پوری طرح پرسکون نظر آ رہے تھے، لیکن محمود، فاروق اور فرزانہ پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ انہیں مجرموں پر نہیں، اخبارات والوں اور دفتر کے لوگوں پر غصہ آ رہا تھا۔ حالانکہ دفتر میں صرف چند لوگ ہی ایسے تھے جو اس وقت پر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ باقی سب تو انسپکٹر جمشید کے ہمدرد ہی تھے۔ بہت دیر کے غور کے بعد انسپکٹر جمشید نے وہ کاغذ نکالا، جو بیگم خان رحمان نے انہیں دیا تھا اور اسے پھیلا کر بیٹھ گئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بھی اس پر جھک گئے۔ لے دے کے اب ان کے پاس یہی کاغذ تھا اور اس کاغذ کے سلسلے میں بھی وہ ایک بار ناکامی کا منہ دیکھ چکے تھے۔ ریس کورس میں اس کاغذ کی مدد سے کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا۔

ایسے میں فرزانہ نے کہا۔

"ابا جان، کیا گھوڑوں کا تعلق صرف گھوڑ دوڑ کے گھوڑوں سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی تو گھوڑے ہوتے ہیں۔"

"ہاں، عام سواری کے گھوڑے بھی ہوتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو گھوڑے پالنے کا بھی شوق ہوتا ہے۔ اگر یہ کاغذ واقعی ان تینوں چوروں میں سے کسی ایک کی جیب سے گرا ہے تو ضرور اس شخص کا گھوڑوں سے کوئی تعلق ہے اور یہ تعلق ہمیں معلوم

کرنا ہوگا۔"

"تو پھر کیوں نہ گھوڑوں کے کسی ماہر سے مل لیا جائے۔" فاروق بول اٹھا۔

"لاحول ولا قوۃ، کیا بچکانہ سی ترکیب بتائی ہے۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"زوردار ترکیبیں تو صرف تم بتا سکتی ہو۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"لیکن میرے خیال میں اس ترکیب پر عمل کرنے میں کوئی برائی نہیں۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"محمود، یہ تم کہہ رہے ہو۔" فرزانہ حیران ہو کر بولی۔

"فرزانہ، تمہیں کیا ہوا؟" انسپکٹر جمشید بھی حیران ہو کر بولے۔

"جی کیا مطلب، مجھے تو کچھ بھی نہیں ہوا۔"

"کچھ تو ضرور ہوا ہے۔ آخر فاروق کی اس تجویز کی مخالفت کی کیا تک ہے؟"

"یہ تک ذرا بے تکی سی ہے ابا جان۔" فاروق مسکرایا۔

"کیا آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ ہمیں گھوڑوں کے کسی ماہر سے مل لینا چاہیے۔" اب فرزانہ نے بھی بےبسی بھرے انداز میں کہا۔

"ہاں، اور میں یہ اس لیے بھی کہہ رہا ہوں کہ میرے ایک

دوست کو یہ دعویٰ ہے کہ وہ گھوڑوں کا ماہر ہے اور خاص طور پر
اسے عربی گھوڑے پالنے کا بہت شوق ہے۔" انہوں نے پرجوش
انداز میں کہا اور وہ جان گئے کہ ان کے والد اسی وقت روانہ
ہونا چاہتے ہیں۔
آدھ گھنٹے بعد وہ گھنی ڈاڑھی والے ایک ادھیڑ عمر آدمی
کے سامنے بیٹھے تھے۔ انہوں نے ان کا استقبال بہت پرجوش
انداز میں کیا تھا۔ جوں ہی انسپکٹر جمشید نے اپنی آمد کی وجہ بتانی
چاہی — وہ فوراً بولے:
"کچھ نہیں جمشید، میں کچھ نہیں سنوں گا۔ پہلے تم میرے
ساتھ چائے پیو گے۔ اس کے بعد میں تمہاری کوئی بات سنوں گا۔
آخر ہم سکول کے زمانے کے دوست ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں
کہ تم کسی ضرورت کے بغیر میرے پاس نہیں، لہذا آج آ ہی
گئے ہو تو میں تمہیں سستا تو نہیں چھوڑوں گا۔"
اور انہیں ان کے خلوص کے آگے ہتھیار ڈالتے ہی بن
پڑی۔ ان کا نام رازی خان تھا۔ پندرہ منٹ بعد وہ چائے سے
فارغ ہو چکے تو انسپکٹر جمشید بولے:
"ہاں تو رازی، اب بھی مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے یا نہیں؟"
"ضرور ضرور، کیوں نہیں" — وہ مسکرائے۔
"پہلے تو یہ بتاؤ، تمہارے گھوڑوں کے شوق کا کیا حال ہے؟"

"میں بوڑھا ہوتا جا رہا ہوں اور شوق جوان، شاید جب میں
بالکل بوڑھا ہو جاؤں تو یہ شوق بچہ بن جائے۔" انہوں نے کہا۔
"اچھا تو اس کاغذ کو غور سے پڑھو۔ اس سے تم کیا نتیجہ
نکال سکتے ہو؟" انہوں نے کہا اور کاغذ ان کی طرف بڑھا دیا۔
انہوں نے پہلے تو اسے غور سے پڑھا اور پھر سوچ میں ڈوب
گئے — آخر چند منٹ بعد سر اٹھا کر بولے:
"یہ تو کسی ایسے آدمی کا کاغذ ہے، جسے ریس کھیلنے کا
شوق ہے۔ میرا مطلب گھوڑ دوڑ سے ہے۔"
"یہ اندازہ میں بھی لگا چکا ہوں، لیکن اس شخص کا کوئی
تعلق گھوڑ دوڑ سے ثابت نہیں ہو سکا۔" انہوں نے کہا۔
"اوہو، اچھا — تو پھر مجھے غور کرنے دو۔ گھوڑے اور کس
کس کام میں لائے جاتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ پھر سوچ میں گم ہو
گئے — آخر سر اٹھایا اور بولے:
"جمشید، گھوڑے سرکس میں بھی تو کام کرتے ہیں۔"
"سرکس" — ان کے منہ سے نکلا۔
"سرکس" — محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی ایک ساتھ کہا —
ابھی تک انہوں نے اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا۔
"اف میرے خدا، ہمارے شہر میں تو ایک سرکس مستقل طور
پر موجود ہے اور وہ ہے بھی ایک غیر ملکی سرکس — تت تو پھر

"اس بار کے مجرموں کا تعلق سرکس سے ہے" انہوں نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"یہ معلوم کرنا تمہارا کام ہے" رازی خان مسکرائے۔

"ہاں رازی، تمہارا بہت بہت شکریہ، شاید اس بار ہمارا اندازہ غلط ثابت نہ ہو" انہوں نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اسی لیے میں نے چائے پہلے پلا دی تھی — میں جانتا تھا، اپنے سوال کا جواب ملنے کے بعد تم یہاں نہیں رکو گے" رازی خان مسکرا کر بولا۔

"میرے دوست ہونا، مجھ سے واقف نہیں ہو گے تو کیا میرے دشمنوں سے واقف ہو گے۔ اچھا خدا حافظ" انہوں نے بھی مسکرا کر کہا اور باہر نکل آئے۔

"ہم پہلے گھر چلیں گے، ابھی سرکس شو کا وقت نہیں۔ اس کے شو شام اور رات کو ہوتے ہیں۔ ہم اخبار میں شائع ہونے والے اشتہار میں ان کے اوقات دیکھیں گے اور پھر ٹکٹ منگا لیں گے۔ آج ہم سب سرکس دیکھیں گے"

"ابا جان، ہم سب سے آپ کی کیا مراد ہے، کیا امی جان بھی جائیں گی"

"یہ ان کی مرضی، میرا ہم سب سے مطلب تمام بڑوں اور بچوں سے تھا — یعنی خان رحمان اور پروفیسر داؤد سمیت اور بیگم شیرازی

بھی شامل ہوں گی"

"پروگرام تو شاندار ہے، لیکن اگر وہاں مجرموں سے ملاقات کی امید ہے تو سب لوگوں کو ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت ہے" فرزانہ نے اعتراض کیا۔

"بھئی ذرا رونق رہے گی" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی" فرزانہ نے کندھے اچکائے۔

گھر پہنچ کر انہوں نے سب سے پہلے سرکس کا اشتہار دیکھا۔ سرکس کا نام رینبو سرکس تھا — روزانہ اس کے دو شو ہوتے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے اکرام کو فون کیا۔

"ہیلو اکرام، آج ہم سب سرکس دیکھنے جائیں گے، پسند کرو تو تم بھی چلنا، کسی کو بھیج کر ٹکٹ منگوا لو" انہوں نے سب کی تفصیل بتائی۔

"جی، یہ آپ کیا فرما رہے ہیں — آپ سرکس دیکھیں گے" اکرام حیران رہ گیا —

"ہاں بھئی، کیوں کیا بات ہے۔ کیا تمہارے خیال میں میں سرکس نہیں دیکھ سکتا"

"جی، کیوں نہیں، کیوں نہیں — اوہ، میں سمجھا، ضرور کوئی اہم بات ہے، ورنہ آپ یکایک سرکس کا پروگرام کیوں بناتے"

"چلو خیر، ہو سکتا ہے، کوئی بات ہی ہو" انہوں نے جلدی

سے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"ابا جان، مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ یہ سرکس والے بہت خطرناک ہوتے ہیں۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"اس میں ڈرنے کی بھلا کیا بات ہے۔ ہوتے ہوں گے خطرناک۔" انہوں نے منہ بنایا۔

"ہم سرکس پر باقاعدہ چھاپا کیوں نہ ماریں۔ اس صورت میں ہمارے ساتھ بے شمار پولیس والے بھی ہوں گے۔" فرزانہ نے پریشان آواز میں کہا۔

"فرزانہ، تم اتنی بزدل کب سے ہوگئیں؟" محمود نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"شش، شاید آج سے۔" فرزانہ ہکلائی اور وہ حیران رہ گئے۔ فرزانہ کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا۔ انہوں نے واقعی اسے اتنا خوف زدہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اب تو انسپکٹر جمشید کو بھی اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

"خیر تو ہے فرزانہ — تم تو سچ مچ بہت پریشان نظر آرہی ہو۔"

"سچ، جی ہاں — پتا نہیں کیا بات ہے، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

"تب پھر بہتر ہوگا، تم ہمارے ساتھ سرکس دیکھنے نہ جاؤ۔" محمود جل کر بولا۔

"ان چوڑیاں پہن کر — مگر نہیں، چوڑیاں تو تم نے پہلے ہی پہن رکھی ہیں — چلو خیر، چوڑیاں پہنے بغیر ہی گھر میں جا بیٹھو۔" فاروق بول اٹھا۔

"نہیں، بزدل نہیں ہوں۔" فرزانہ چیخ اٹھی۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا اور پھر اس نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بھینچ لیے۔ نہ صرف محمود اور فاروق، بلکہ انسپکٹر جمشید بھی اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگے اور آخر سرکس جانے کا وقت آگیا۔ وہ کاروں میں لد کر سرکس کی طرف روانہ ہوئے۔ اکرام نے بھی ان کے ساتھ سرکس دیکھنے کا فیصلہ کیا تھا، لہٰذا ان کے ساتھ شامل تھا — وہ بھی کچھ خاموش خاموش سا تھا — فاروق سے رہا نہ گیا:

"خیر تو ہے انکل، آپ بھی فرزانہ کی طرح خاموش خاموش اور پریشان لگ رہے ہیں۔"

"تو فرزانہ بھی پریشان ہے؟" اکرام چونک کر بولا۔

"کم از کم ہمارا تو یہی خیال ہے۔" محمود نے کہا۔

"نہیں انکل، ان کا خیال ہے، میں بزدل ہوں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ارے اچھا، کمال ہے بھئی — کم از کم فرزانہ کی بہادری کی تو میں گواہی دیتا ہوں۔" اکرام نے حیران ہو کر کہا۔

"شکریہ انکل۔" فرزانہ بولی۔ "بھلا میں کیوں پریشان ہونے لگی۔ یہ ضروری تو نہیں کہ وہ تینوں سرکس میں مل ہی جائیں اور اگر مل

بھی گئے تو بھی کیا ہے۔ اب وہ اتنے بڑے مجرم بھی نہیں کہ ہم
ان سے خوف زدہ ہو جاؤں گی، پھر بھی نہ جانے کیا بات ہے،
کیوں میں کچھ پریشانی محسوس کر رہی ہوں۔

"میرا بھی یہی حال ہے، بس ذرا بے چین ہوں اور کوئی بات
نہیں۔" اکرام نے جلدی سے کہا۔

"بھئی، میں سب سمجھتا ہوں۔ تم دونوں دراصل یہ محسوس کر
رہے ہو کہ اس طرح سرکس آ کر میں کوئی بہت بڑی غلطی کر رہا
ہوں، لہذا تم خوف زدہ ہو، حالاں کہ دور دور تک خوف زدہ
ہونے کی کوئی ضرورت نہیں — تمہارے خوف کو میں وہم کا نام
دے سکتا ہوں اور بس۔" انہوں نے کندھے اچکائے۔

اکرام اور فرزانہ کچھ نہ کہہ سکے اور آخر وہ سرکس کی حدود
میں پہنچ گئے۔ ٹکٹ ان کے پاس موجود تھے، لہذا وہ رنگ میں
داخل ہو گئے۔ ان کی کرسیاں بالکل آگے تھیں، گویا سرکس کے
کمالات کو بہت ہی نزدیک سے دیکھ سکتے تھے۔ سارا پنڈال ابھی
خالی پڑا تھا — ٹکٹ ابھی شروع ہی ہوئے تھے اور بہت تھوڑے
لوگ اس وقت تک اندر آ سکے تھے، تاہم لوگوں کے اندر آنے
کی رفتار بہت تیز تھی۔ اس کا مطلب تھا، باہر بہت زیادہ رش تھا۔
یہ دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی — سرکس کو شہر میں آئے ایک سال
سے زیادہ عرصہ ہو گیا تھا۔ ان حالات میں تو یہاں زیادہ رش نہیں

ہونا چاہیے تھا، لیکن شاید سرکس والے کچھ نئے قسم کے کھیل
پیش کرتے رہتے تھے — پورا ہال بھرنے میں تقریباً نصف گھنٹہ
صرف ہوا۔ آخر اندر آمد کے دروازے بند کر دیے گئے — لاؤڈ
سپیکر پر آواز ابھری۔

"اب کھیل کا آغاز ہوتا ہے — سب سے پہلے گھوڑوں کے
کمالات پیش کیے جائیں گے۔"

گھوڑوں کا لفظ سنتے ہی ان کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔
پھر ایک اندرونی دروازہ کھلا اور چند گھوڑے دوڑتے ہوئے اندر
داخل ہوئے — یہ تعداد میں کل پانچ تھے، پھر ایک شخص ہاتھ میں
چابک لیے اندر داخل ہوا۔ وہ چابک کو زور دار انداز میں گھما رہا
تھا — اسے دیکھ کر ان کے ذہنوں میں ایک نام گونج اٹھا اور
وہ نام تھا:

"روڈا تیز۔"

"اف خدا، کیا یہ روڈا تیز ہے۔" فاروق بڑبڑا اٹھا۔

اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے یہ بڑبڑاہٹ روڈا نے
سن لی ہو — اس نے یک دم ان کی طرف دیکھا، اتنی دیر میں
وہ ان کے سامنے سے گزر چکا تھا۔

"فاروق خاموش رہو، اس کے کان تو شاید فرلانگ سے بھی
کان کاٹ دیں گے۔" محمود نے پرجوش انداز میں کہا۔

پورے ہال کے لوگ مکمل طور پر خاموش تھے۔ ان کی سرگوشیوں نے آس پاس کے لوگوں کو ان کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ یہ بات انہوں نے بھی محسوس کی اور ہونٹ بھینچ لیے۔ اتنی دیر میں روڈا چکر کاٹ چکا تھا۔ اس نے پھر ان کی طرف دیکھا اور اب انہیں اس بات میں کوئی شک نہیں رہا کہ اس نے فاروق کے الفاظ سن لیے تھے، ورنہ یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ وہ بار بار انہی کی طرف دیکھنے کی کوشش کرتا۔ وہ بھی ایسے وقت میں جب کہ اسے گھوڑوں کے ساتھ ساتھ تیزی سے دوڑنا پڑ رہا تھا اور چابک لہرانا پڑ رہا تھا۔ انہوں نے روڈے کی پیشانی پر بل پڑتے دیکھے۔ اتنے میں گھوڑے صرف دو ٹانگوں سے دوڑنے لگے، وہ بھی ایک اگلی اور پچھلی ٹانگ سے۔ تماشائیوں نے بے تحاشا تالیاں بجا دیں، لیکن یہ تو ابتدا تھی۔ گھوڑوں کا اگلا کمال یہ تھا کہ انہوں نے ایک ٹانگ پر چل کر پورا چکر لگایا، پھر دوسرا گھوڑا پہلے گھوڑے کی پشت پر آدھے دھڑ سے سوار ہو گیا اور انہوں نے صرف ایک ایک ٹانگ سے چکر کاٹ کر دکھایا اور یہ سب کام چابک کے اشاروں سے لیا جا رہا تھا۔ اس کھیل کے آخر میں گھوڑوں نے سر جھکا کر تماشائیوں کا شکریہ ادا کیا اور چابک کی سرسراہٹ میں اندر داخل ہو گئے، یوں ہی روڈا اندر داخل ہوا، تینوں مسخرے رنگ

میں داخل ہوئے اور بے ہنگم اچھل کود مچانے لگے۔ اب لوگ بے تحاشا ہنس رہے تھے۔ اچانک فرزانہ بڑبڑائی:

"ان تینوں مسخروں کے چہروں کو دیکھ رہے ہیں آپ جان' ان کی شکل صورت بالکل ایک جیسی ہے' یہ مسخروں کے میک اپ میں ہیں۔ لیکن قد و قامت کے لحاظ سے بھی یہ بالکل ایک جیسے ہیں۔"

"ہاں، میں دیکھ رہا ہوں اور شاید یہ وہی تینوں ہیں، جو خان رحمان کے ہاں آئے تھے، پھر ہم نے ان سے بیگم شیرازی کے ہاں ملاقات کی تھی اور اب انہیں ہم یہاں دیکھ رہے ہیں۔ روڈا تیز کو ابھی انہیں ہمارے بارے میں بتانے کا موقع نہیں ملا، کیونکہ اس کے نکلنے کے ساتھ ہی یہ اندر داخل ہو گئے تھے۔ اب یہ جب روڈا آئیں گے، اسی وقت ہم اندازے لگا سکیں گے کہ یہ واقعی وہی ہیں یا نہیں۔" وہ دبی آواز میں کہتے چلے گئے۔ اس وقت ان کے بولنے کو کسی نے محسوس نہیں کیا، کیونکہ سارا ہال مسخروں کی حرکتوں کی وجہ سے تالیوں سے گونج رہا تھا۔

"تو کیا شیرازی گروہ سارا اسی سرکس میں جمع ہو گیا ہے۔" محمود نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"بھئی، یہ تم لوگ کیا گھسر پھسر کر رہے ہو؟" خان رحمان نے حیرت بھری آواز میں کہا۔

"بات دراصل یہ ہے انکل کہ ہم یہاں ان تین چوروں کے چکر میں آئے ہیں، جنہوں نے آپ کے ہاں چوری کی تھی" فرزانہ بول اٹھی — ابھی تک انہوں نے یہ بات کسی کو نہیں بتائی تھی، صرف ان چاروں اور اکرام کو معلوم تھی، لیکن فرزانہ کے الفاظ سن کر ان کی آنکھوں میں بھی خوف دوڑ گیا، کیونکہ اس سے پہلے تک وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ آج انسپکٹر جمشید اور ان کے بچوں کو تفریح کی سوجھ گئی ہے —

"اوہ، تو یہ بات ہے" خان رحمان بڑبڑائے۔

"جی ہاں، اور اب ہم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ ہم غلط جگہ پر نہیں آئے" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"تت، تو کیا وہ تینوں چور یہیں ہیں؟"

"ہاں، لیکن مہربانی فرما کر سب لوگ پرسکون بیٹھیں" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

اسی وقت مسخرے نکل گئے۔ اب جھولوں والا کھیل شروع ہوا۔ تین نوجوان اندر داخل ہوئے اور جھولوں پر چڑھ گئے اگرچہ یہ بہت پرانا کھیل تھا، لیکن انہوں نے کچھ ایسی مہارت سے جھولے بدلے اور قلابازیاں کھائیں کہ لوگ تالیاں بجانے

پر مجبور ہو گئے — پندرہ منٹ تک یہ سنسنی خیز کھیل جاری رہا۔ ہر لمحے یہ محسوس ہوتا رہا کہ ان تینوں میں سے کوئی اب گرا کہ اب گرا — اگرچہ نیچے جال تنا ہوا تھا اور گرنے کی صورت میں انہیں چوٹ لگنے کا کوئی امکان نہیں تھا، اس کے باوجود لوگوں کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ آخر یہ کھیل بھی ختم ہوا اور لاؤڈ سپیکر پر اعلان ہوا:

"اب ایک ہولناک کھیل پیش کیا جاتا ہے"

جن لوگوں نے پہلے کوئی شو نہیں دیکھا تھا وہ سوچنے لگے کہ دیکھیں، وہ ہولناک کھیل کیا ہے۔ آخر ایک نوجوان اندر داخل ہوا۔ اس کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک تھی — اس نے پہلے تو جھک کر تمام تماشائیوں کو سلام کیا، پھر بلند آواز میں بولا:

"آپ اپنی زندگی کا ایک حیرت انگیز کھیل دیکھیں گے، لیکن اس کھیل میں ہمیشہ ایک تماشائی کی مدد لی جاتی ہے، ورنہ یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ سرکس کے جانور سدھائے ہوئے ہوتے ہیں، لہذا اس میں ہوکا کی کیسی، چنانچہ اب میں آپ میں سے ایک صاحب کو رنگ میں داخل ہونے کی دعوت دیتا ہوں — کوئی بلند حوصلے والے صاحب آ جائیں — کسی قسم کا

کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہم یہ کھیل پورے ایک سال سے دکھا رہے ہیں۔ ارے، ابھی تک کوئی نہیں اٹھا۔ خیر میں خود آپ میں سے ایک کو منتخب کر لیتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور پھر اس کی نظریں انسپکٹر جمشید پر جم گئیں۔ آخر اس نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ نہایت باحوصلہ آدمی جان پڑتے ہیں۔ تشریف لے آئیے۔"

"ہوشیار اباجان، یہ ان لوگوں کی چال بھی ہو سکتی ہے۔" فرزانہ کانپ کر بولی۔

"ہاں، لیکن نہ اٹھنا بزدلی ہوگی۔ لوگ مذاق اڑائیں گے لہٰذا میں ان کی چال میں آئے بغیر نہیں رہ سکتا۔" انہوں نے پرسکون آواز میں کہا اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ تماشائیوں نے زور زور سے تالیاں بجائیں۔ تالیوں کی گونج میں محمود نے کہا:

"خدا جانے یہ کیا کھیل پیش کرنے والے ہیں۔ ہمیں چاہیے تھا، یہاں آنے سے پہلے ان کے کھیلوں کی تفصیل معلوم کر لیتے۔"

"فکر نہ کرو، جب اوکھلی میں سر دیا تو موسلوں کا کیا ڈر۔"

انسپکٹر جمشید نے کہا اور قطار میں سے نکل کر رنگ کی طرف چل پڑے۔

"شاید میں اسی لیے خوف زدہ تھی۔" فرزانہ بولی۔

"کوئی بات نہیں، ہم لوگ یہاں موجود ہیں۔ اگر انہوں نے کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو دیکھ لیا جائے گا۔" خان رحمان نے باوقار لہجے میں کہا۔

اب ان کی بے چینی عروج پر پہنچ گئی تھی۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید رنگ میں داخل ہو گئے۔ ایک بار پھر تالیوں کی گونج پیدا ہوئی۔ ادھر رنگ ماسٹر نے اندرونی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"جانی کو آنے دیا جائے۔"

ان کی نظریں اندرونی دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ تمام تماشائی اس طرف متوجہ تھے۔ جن لوگوں نے سرکس کا پہلے کوئی شو نہیں دیکھا تھا، وہ یہ دیکھنے کے لیے بے تاب تھے کہ جانی کیا بلا ہے اور پھر انہوں نے جانی کو آتے دیکھا۔

ہال میں موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔ آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔ ان کے رنگ فق ہو گئے۔ انہوں نے انسپکٹر جمشید کا رنگ بھی اڑتے دیکھا۔

جانی دراصل ایک ببر شیر تھا۔ انتہائی خوف ناک [illegible]

والا شیر — ان کے سانس سینوں میں اٹکنے لگے — خون رگوں میں ٹھوکریں سی مارنے لگا۔ ان کا دشمن انہیں ایک خوف ناک جال میں پھانس چکا تھا —

"سب"

اچانک رنگ ماسٹر کی آواز گونجنے لگی، اس کا کوڑا سرسرانے لگا :

"حاضرین، میں اس شیر پر سواری کروں گا — آپ دیکھیں گے کہ یہ ایک غلام کی طرح مجھے سواری کرنے دے گا — پھر یہ صاحب شیر کی سواری کریں گے، میرا کوڑا شیر کو قابو میں رکھے گا۔ آپ نے یہ کمال آج تک کسی اور سرکس میں نہیں دیکھا ہوگا۔ کوئی بھی شیر کو رنگ میں لانے کی ہمت نہیں کرتا — یہ اعزاز صرف ہمارے سرکس کو حاصل ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک سال گزرنے کے بعد بھی سرکس میں رش کا وہی عالم ہے — اب کھیل شروع کیا جاتا ہے، میں آپ کے سامنے شیر کی سواری کروں گا ۔"

یہ کہہ کر اس نے شیر کو کان سے پکڑ لیا اور بولا:
"خبردار جانی، میں تم پر سوار ہو رہا ہوں ۔"

اس نے ایک ٹانگ اٹھائی اور شیر کی کمر پر بیٹھ گیا — شیر نے گردن ادھر ادھر گھمائی —

"آپ رنگ کے درمیان میں کھڑے رہیے گا — شیر آپ کے گرد چکر لگائے گا۔"

انسپکٹر جمشید کچھ نہ بولے — رنگ کے درمیان میں کھڑے ہو گئے — رنگ ماسٹر نے کوڑا لہرایا اور اس کی سرسراہٹ کے ساتھ ہی شیر دوڑنے لگا، ساتھ ہی وہ دھاڑا بھی — اس کی دھاڑ سن کر لوگوں کے دل دھک دھک کرنے لگے۔ کوڑے کے لہرانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ شیر کی رفتار بڑھتی چلی گئی۔ کوڑا ہر بار زمین پر لگتا رہا — شیر اسی آواز کا ساتھ دیتا رہا۔ آخر رنگ ماسٹر نے کوڑا روک لیا۔ اس کے ساتھ ہی شیر کی رفتار کم ہوتی چلی گئی اور پھر وہ رک گیا — جنگل کے بادشاہ کی کمر پر ایک انسان نے سواری کی تھی۔ یہ ایک بہت ہولناک کھیل تھا — رنگ ماسٹر اس کی کمر سے نیچے اتر آیا اور بولا:

"اب آپ اس کا کان پکڑ لیں اور سوار ہو جائیں۔ یہ میرے کوڑے کی زبان خوب سمجھتا ہے — آپ کو ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔"

انسپکٹر جمشید پل بھر کے لیے ہچکچائے، پھر شیر کا کان پکڑ لیا۔ وہ جانتے تھے کہ شیر سدھایا ہوا ہے۔ عام آدمی کو واقعی کوئی خطرہ

نہیں تھا، لیکن ان کی پوزیشن بہت نازک تھی — سرکس میں شامل کچھ لوگ انہیں سرکس میں دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ اس وقت شدید خطرے میں تھے — انہوں نے خدا کو یاد کیا اور شیر کی کمر پر سوار ہو گئے — اس کے ساتھ ہی کوڑا لہرایا اور شیر دوڑنے لگا۔ لوگوں کے جوش و خروش کا کیا کہنا — انہوں نے اتنے پر جوش انداز میں تالیاں بجائیں کہ پورے سرکس کا ایریا گونج گیا۔ شاید ابھی تک اس کھیل میں شرکت کے لیے کوئی آدمی رنگ میں نہیں اترا تھا — شیر اب تیسرا چکر لگا رہا تھا — محمود، فاروق فرزانہ اور دوسرے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی نظریں صرف اور صرف کوڑے پر تھیں — اچانک انہوں نے کوڑا شیر کی ٹانگوں سے لپٹتے دیکھا، شیر منہ کے بل گرا، ساتھ ہی انسپکٹر جمشید گرے — شیر بری طرح دھاڑا۔ اس نے چھلانگ لگائی اور سیدھا کھڑا ہو گیا — خوفناک انداز میں غرایا اور انسپکٹر جمشید پر چھلانگ لگا دی —

انسپکٹر جمشید خطرے کو بھانپ چکے تھے — انہوں نے یہ بات بھی صاف محسوس کر لی تھی کہ شیر کو گرایا جان بوجھ کر گیا ہے، لہٰذا انہوں نے بھی شیر کے ساتھ ہی چھلانگ لگائی — شیر رنگ کی ایک لکڑی سے ٹکرایا — لکڑی بھلا اس کا دھکا کیا برداشت کرتی، فوراً ٹوٹ گئی اور اگلے لمحے شیر تماشائیوں کے ڈبوں کے قریب

گیا— سیکڑوں چیخوں نے فضا کو ہلا کر رکھ دیا، لیکن یہ دیکھ کر تماشائیوں کی جان میں جان آئی کہ شیر نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا، وہ تو فوراً ہی انسپکٹر جمشید کی طرف مڑ گیا تھا۔ اس کے باوجود بے شمار لوگ اٹھ اٹھ کر بھاگنے لگے۔ کم از کم اگلی سیٹوں پر تو کوئی بیٹھا نہیں رہ سکا۔ ہال تقریباً خالی ہو گیا۔ بس سب سے اوپر والی قطاروں میں کچھ دلیر لوگ بیٹھے رہ گئے۔ لیکن ان کی آنکھوں میں بھی خوف کا ایسا عالم تھا کہ کیا کسی نے کبھی دیکھا ہو گا؛ البتہ انسپکٹر جمشید کے ساتھ آنے والے سبھی ساتھی اپنی اپنی جگہ پر جمے ہوئے تھے— ان کی آنکھیں گویا پتھرا گئی تھیں— جو کچھ ہو رہا تھا، اس کی انہیں ہرگز امید نہیں تھی۔ ہاں، فرزانہ اور اکرام قدرتی طور پر کچھ خوف ضرور محسوس کرتے رہے تھے—

شیر کی دوسری چھلانگ بہت خوف ناک تھی— یہ انسپکٹر جمشید ہی تھے جو اس کی زد میں آنے سے بچ گئے— وہ بھی بجلی کی سی تیزی سے دوسری طرف چھلانگ لگانے کی وجہ سے— اتنی بھرپور کوشش کا نتیجہ بھی یہ تھا کہ شیر ان سے صرف چند انچ کے فاصلے پر گرا تھا۔ لیکن اسی وقت ہال میں ایک فائر کی آواز گونجی— شیر کے منہ سے ایک لرزا دینے والی دھاڑ نکلی اور پھر وہ مسلسل دھاڑتا چلا گیا— گولی اس کے پیٹ میں لگی تھی اور اب

اس کے پیٹ سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا— وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔ اس کے خون کے چھینٹوں نے انسپکٹر جمشید کو بھی رنگ دیا تھا— انہوں نے ایک چھلانگ لگائی اور رنگ سے باہر آ گئے۔ خان رحمان کے ہاتھ میں ابھی تک پستول موجود تھا— ادھر رنگ میں موجود رنگ ماسٹر حیرت کا بت بنا کھڑا تھا— اس کی نظریں تڑپتے ہوئے شیر پر جمی تھیں— شاید اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ جسے وہ شیر کے ذریعے ختم کرنا چاہتا ہے، وہ تو بچ جائے گا اور شیر ختم ہو جائے گا— پھر اچانک وہ مڑا اور اندرونی دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ایک گرجدار آواز نے اس کے پاؤں جکڑ لیے—

"خبردار، اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کرنا، ورنہ گولیاں مار کر چھلنی کر دوں گا:"

خان رحمان کی آواز نے گونج پیدا کر دی۔ رنگ ماسٹر پریشان ہو کر مڑا اور نظریں ادھر ادھر جاتے ہوئے بولا:

"کیا مطلب، آپ مجھے کیوں روک رہے ہیں۔"

"اس واقعے کے اصل مجرم تم ہو— تم نے جان بوجھ کر شیر کو کھول دیا تھا۔ ہم نے یہ بات بالکل صاف دیکھی تھی۔ تم اس سے انکار کرو، تب بھی قانون کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔" خان رحمان نے جواب دیا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے — میں نے شیر کو کوڑا نہیں مارا
تھا" رنگ ماسٹر نے کہا۔

"اس کی گواہی یہاں باقی رہنے والے تماشائی دیں گے"
خان رحمان مسکرائے۔

"کون سے تماشائی" رنگ ماسٹر بھی مسکرایا۔

انہوں نے چاروں طرف دیکھا اور حیران رہ گئے — اب پورے
ہال میں ان کے سوا کوئی بھی نہیں بچا تھا۔ سبھی کھسک لیے تھے۔

(۶)

اگر سبھی کھسک گئے ہیں تو کیا ہوا — ہم سب گواہی دیں
گے"

"میں نے کوڑا شیر کو جان بوجھ کر نہیں مارا — تم لوگوں کی
گواہی عدالت مانے گی بھی نہیں، کیونکہ تم اس کے ساتھی ہو"

اسی وقت اندرونی دروازہ کھلا اور بہترین سوٹ میں ملبوس
ایک شخص رنگ میں داخل ہوا — اس کے پیچھے کتنے ہی آدمی تھے
اس نے پہلے تو شیر کو دیکھا، پھر رنگ ماسٹر کو اور اس کے بعد
ان سب کی طرف، پھر رنگ ماسٹر سے بولا:

"تمہیں معلوم ہے، یہ شیر میں نے کتنے کا خریدا تھا؟"

"جی، جی ہاں، پچاس ہزار کا" اس نے ہکلا کر جواب دیا۔

"یہ کیسے ہوا؟" سوٹ والے نے کہا۔

"مسٹر لنگ، اس میں میرا کوئی قصور نہیں — کوڑا زمین سے
لگ کر اچٹ گیا اور شیر کو لگ گیا"

"اور شیر پر فائر کس نے کیا؟" لنگ نے پوچھا۔

"اس شخص نے، یہ اس کا ساتھی ہے"

"خوب، آپ کو معلوم ہونا چاہیے — یہ شیر پچاس ہزار روپے
دے کر خریدا گیا تھا"

"معلوم ہو گیا، کیا آپ کے خیال میں ایک انسان کی کوئی
قیمت نہیں" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"ٹھیک ہے، ہم آپس میں بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں — اگر قصور
میرے آدمی کا نکلا تو آپ سے شیر کی کوئی قیمت وصول نہیں کی
جائے گی اور اگر میرے آدمی کا قصور نہ نکلا تو آپ سے پچاس ہزار
روپے وصول کیے جائیں گے"

"گویا آپ کے آدمی کا قصور نہ ہوتا تو میں اپنے ساتھی کو
شیر کے ہاتھوں مر جانے دیتا، یہ کیسے ہو سکتا ہے" خان رحمان
تلملا کر بولے۔

"نہیں بہر حال بیٹھ کر بات کرنا پڑے گی"

"تو ٹھیک ہے، ہمیں بھی کوئی اعتراض نہیں" انسپکٹر جمشید

بولے — اور اکرام کو کوئی اشارہ کیا۔ اس نے اشارے کو سمجھ لیا
اور فوراً اٹھتے ہوئے بولا
"سر، آپ لوگ ان کے ساتھ فیصلہ کریں۔ میں ایک ضروری
کام نپٹا آؤں۔"
"اچھا، ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا" اور اکرام بیرونی
دروازے کی طرف چل پڑا۔ اس کی طرف کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی
نہ دیکھا، پھر مسٹر لنگ نے کہا:
"آئیے، ہم سرکس کے اندرونی حصے میں بیٹھ کر بات کریں۔"
"چلیے۔" انسپکٹر جمشید بولے — وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔
اس وقت تک شیر دم توڑ چکا تھا — انہوں نے اس پر ایک
اچٹتی سی نظر ڈالی اور لنگ کے پیچھے چل پڑے — سرکس کے
پچھلی طرف جانوروں کے پنجرے اور ان کے خیمے ایک دائرے
کی صورت میں نصب کیے گئے تھے۔ یہ دائرہ بہت بڑا تھا۔
اس دائرے کے درمیان میں کھلا میدان تھا۔ اس میدان کے
بیچوں بیچ کرسیاں موجود تھیں — درمیان میں کوئی میز نہیں تھی۔
"آئیے، ان کرسیوں پر بیٹھ کر بات کریں۔" لنگ نے کہا۔
فرزانہ کو ان کرسیوں کی طرف بڑھتے ہوئے بہت الجھن
محسوس ہوئی — اس سے رہا نہ گیا، بول ہی اٹھی:
"کیا ہم کہیں اور نہیں بیٹھ سکتے؟"

"کیوں، یہاں کیا ہے؟" لنگ نے اسے گھورا۔
"یہ جگہ مجھے کچھ پسند نہیں آئی۔" اس نے منہ بنایا۔
"اس میدان کے دوسری طرف عملے کے لیے خیمے نصب
ہیں، لیکن وہ اتنے بڑے نہیں کہ ہم سب ان میں سے
کسی ایک میں سما سکیں، کیونکہ وہ ایک ایک آدمی کے لیے
بنائے گئے ہیں — اتنے بہت سے آدمیوں کے لیے تو یہی جگہ
مناسب معلوم ہوتی ہے۔" لنگ بولا۔
"ابا جان، میرا خیال ہے، امی جان، آنٹی، پروفیسر انکل اور
حامد وغیرہ کی یہاں کوئی ضرورت نہیں۔ کیوں نہ انہیں گھر جانے
دیا جائے۔" محمود نے کچھ سوچ کر کہا۔
"بات تو ٹھیک ہے — پروفیسر صاحب، آپ انہیں لے
کر چلیں۔" انسپکٹر جمشید بولے —
"جمشید، تم، میں —" پروفیسر داؤد ہکلائے اور وہ سمجھ
گئے کہ کیا کہنا چاہتے ہیں — ان کا مطلب تھا، میں تمہیں ان
حالات میں چھوڑ کر کس طرح جا سکتا ہوں۔
"آپ فکر نہ کریں، ہم معاملہ بخیر و خوبی طے کر لیں گے۔
آپ انہیں لے کر چلیں۔"
"میرے خیال میں تو آپ سب لوگ یہیں موجود رہیں —
تھوڑی دیر میں تو بات ہو جائے گی، پھر آپ ایک ساتھ ہی

یہاں سے رخصت ہو جائیے گا۔" اس نے خشک آواز میں کہا۔

"چلیے یوں ہی سہی۔" خان رحمان نے کہا۔

"لیکن میں ان لوگوں کا یہاں رکے رہنا کسی طرح بھی پسند نہیں کرتا۔" محمود نے کہا۔

"آخر اس میں حرج کیا ہے؟" کنگ نے منہ بنایا۔

"یہ لوگ اس بات چیت میں شرکت نہیں کریں گے۔ بات چیت صرف اور صرف ہمارے والد اور انکل کریں گے۔" فرزانہ بولی۔

"تاہم اگر بات چیت تک باقی لوگ بھی ٹھہر جائیں تو اس میں کیا حرج ہے؟" کنگ نے کہا۔

"آپ ہم سب کو کیوں روکے رکھنا چاہتے ہیں؟"

"بس، میں یہی مناسب سمجھتا ہوں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"لیکن ہم اسے مناسب نہیں سمجھتے۔" فاروق نے بھی محمود اور فرزانہ کا ساتھ دیا۔ اب اسے بھی کچھ خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔ فضا کچھ عجیب سی تھی۔

"میرا خیال ہے، ہم وقت ضائع کر رہے ہیں۔" کنگ بولا۔

اسی وقت انہوں نے سرکس کے داخلے والی سمتوں میں تاریکی ہوتے محسوس کی۔ انسپکٹر جمشید نے ادھر دیکھا، پھر باوقار انداز میں بولے:

"یہ بتیاں کیوں بجھائی گئی ہیں؟"

"اس حادثے کے بعد دوسرا شو کہاں ہو سکتا ہے، لہذا بتیاں بجھا دی گئی ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آج دوسرا شو نہیں ہو گا۔"

"مسٹر کنگ، کیا آپ اس سرکس کے مالک ہیں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں، یہی بات ہے۔" وہ بولا۔

"میں آپ سے اپنا تعارف کرائے دیتا ہوں۔ اس کے بعد چند اور باتیں بھی آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں، تاکہ آپ جو قدم بھی اٹھائیں۔ جو کچھ بھی کریں، خوب سوچ سمجھ کر کریں۔ اس ملک میں آپ کو رہتے بھی ایک سال ہو گیا ہے۔ یہاں کے حالات سے آپ بھی کسی حد تک واقف ہوں گے ہی۔"

"ضرور ضرور، کیوں نہیں جناب۔" کنگ نے پہلی مرتبہ نرم لہجے میں بات کی۔

"شکریہ، میرا کارڈ ملاحظہ فرمائیے اور ساتھ ہی یہ بات بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ ہم یہاں سرکس دیکھنے نہیں آئے تھے۔"

کنگ نے کارڈ لے کر دیکھا، قدرے حیرت ظاہر کی، پھر بولا:

"میں آپ کے نام سے واقف ہوں جناب، میں نے آپ کی

شہرت بھی سنی ہے — اب میں حیران ہوں کہ آپ سرکس دیکھنے نہیں
آئے تھے تو پھر کس غرض سے آئے تھے؟
"عرض کرتا ہوں، آج سے چند سال پہلے یہاں سمگلروں کا
ایک گروہ گرفتار ہوا تھا۔ ان کا سرغنہ بھی ہمارے ہاتھوں گرفتار
ہوا تھا — اس کے بعد اس گروہ کے بارے میں کچھ سننے میں
نہیں آیا — ایک ماہ پہلے اس گروہ کے کچھ لوگ جیل سے
اپنی سزا کاٹ کر رہا ہوئے۔ انہوں نے تین دن پہلے میرے
دوست کے گھر میں چوری کی واردات کی اور سب کچھ لے کر
چلتے بنے، پھر ایک اور مال دار آدمی ظفر قادری کے گھر واردات
کی۔ اس کے بعد میرے اپنے گھر — پہلی واردات میں وہ تین
ہم شکلوں کے روپ میں آئے تھے، لیکن واردات کے دوران
ان میں سے ایک کاغذ گر گیا — وہ کاغذ اس وقت
میرے پاس ہے — اس کاغذ پر لکھی تحریر پڑھ کر پہلے ہم نے
یہ اندازہ لگایا کہ ان لوگوں کا تعلق ڈیپی کورس سے ہے — ہم
وہاں گئے، لیکن چوروں کا کوئی سراغ نہ ملا — پھر ہم اس
نتیجے پر پہنچے کہ اس سرکس سے بھی اس کاغذ کا تعلق ہو سکتا
ہے، لہٰذا ہم سرکس دیکھنے چلے آئے، تاکہ معلوم ہو سکے ان
میں سے کوئی یہاں موجود ہے یا نہیں — سب سے پہلے ہم

نے ایک گنجے شخص کو دیکھا — اتفاق سے اس نے ہم میں سے
ایک کی سرگوشی سن لی، وہ چونک اٹھا — اس کے بعد اندر
داخل ہونے والے تین آدمیوں کو دیکھ کر بھی ہم چونک اٹھے،
انہوں نے بھی ہمیں دیکھا، پھر یہ شیر والے صاحب اندر داخل
ہوئے — انہوں نے شیر پر سواری کے لیے مجھے منتخب کیا،
اور جان بوجھ کر شیر کو کوڑا دے مارا — اس نے مجھ پر حملہ
کر دیا اور میرے ساتھی کو اس پر فائر کرنا پڑا — یہ تو تھے
کل حالات — اب میں آپ پر الزام لگاتا ہوں کہ اس
گروہ کے سب لوگ یہاں موجود ہیں۔ ہمارے پاس ان کا ریکارڈ
موجود ہے — ریکارڈ کے ذریعے ہم ان کی انگلیوں کے
نشانات چیک کریں گے — تینوں جگہوں پر چوری کی وارداتوں
کے دوران بھی ہمیں انگلیوں کے نشانات ملے ہیں، لہٰذا ہم
انہیں آسانی سے الگ کر لیں گے — فرمائیے، اب آپ کیا
کہتے ہیں؟"

"لیکن میں اس کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا، آپ
میرے کسی آدمی کو یہاں سے نہیں لے جا سکتے" رنگ نے
پر عزم لہجے میں کہا۔
"مجھے کون روکے گا" انسپکٹر جمشید نرم آواز میں بولے۔

"میں — ہم — ہم سب —" اس نے پہلے سینے پر ہاتھ مارا اور پھر اپنے ساتھیوں کی طرف اشارا کیا —

"تو کیا، جیل سے رہا ہونے والوں کو آپ نے نادانستہ طور پر ملازم نہیں رکھا — آپ ان کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں" انسپکٹر جمشید نے حیرت کا اظہار کیا۔

"ہاں، میں ان کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں — شیرازی گروہ در اصل، ایک غیر ملکی گروہ تھا — مطلب یہ کہ وہ ایک دوسرے ملک کے اشاروں پر ناچتے تھے۔ اب اس گروہ کی کمان میرے ہاتھ میں ہے۔ میں اسے نئے سرے سے ترتیب دے رہا ہوں — اس بار ہم سمگلنگ کا کاروبار اتنے زبردست اور وسیع پیمانے پر کریں گے کہ دنیا دیکھے گی — اور آپ جیسے لوگ ہماری گرد کو بھی نہیں پا سکیں گے" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"مجھے افسوس ہے، میرے ہوتے ہوئے آپ میرے ملک میں ایسا کوئی کام نہیں کر سکتے۔ کریں گے تو گرفتار کر لیے جائیں گے" انسپکٹر جمشید نے پرسکون آواز میں کہا۔

"اور مجھے بھی افسوس ہے — اب ایسا کوئی کام آپ نہیں کر سکیں گے"

"میں پہلے بھی پوچھ چکا ہوں، مجھے کون روکے گا؟" انسپکٹر جمشید پھر بولے۔

"میں — ہم — ہم سب —" اس نے پھر اسی لہجے اور انداز میں کہا۔ لفظ 'سب' پر اس نے خاص طور پر زور دیا۔

"تو پھر روک لیجیے — اس وقت تک آپ کے سرکس کو پوری طرح گھیرے میں لیا جا چکا ہے — آپ ہیں کس خیال میں؟" انسپکٹر جمشید گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے بولے۔

"اور میں حیران ہوں کہ آپ کس خیال میں ہیں — آپ نے اپنے جس آدمی کو باہر نکل جانے کا اشارا کیا تھا، ہم نے اسے جانے نہیں دیا، وہ اس وقت ہماری قید میں ہے، لہذا تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ سرکس کو پولیس نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے — ہاں تھوڑی دیر بعد ضرور پولیس یہاں آئے گی، کیونکہ شیر کے ہنگامے کی خبر ضرور شہر میں پھیلے گی، لیکن اس وقت تک ہم یہاں کا تمام معاملہ درست کر چکے ہوں گے۔ ایک شیر جب مشتعل ہو کر دھاڑنے لگتا ہے تو باقی تمام جانور بھی بے چین ہو جاتے ہیں اور اپنے پنجروں سے نکل آتے ہیں، چونکہ یہ سرکس کے سدھائے ہوئے درندے ہیں لہذا عام حالات میں ان سے کوئی خطرہ نہیں ہوتا، اس لیے انہیں بند رکھنے کے لیے کوئی خاص انتظام، دروازے نہیں بنائے

گئے ہیں۔ میرا مطلب ہے، ذرا اپنے چاروں طرف نظر ڈال لیجیے"
وہ کہتے کہتے اچانک رک گیا۔

انہوں نے چاروں طرف دیکھا اور ان کے رونگٹے کھڑے
کھڑے ہو گئے۔ رونگٹے اتنی تیزی سے کھڑے ہوئے تھے کہ
زندگی میں پہلے کبھی نہیں ہوئے ہوں گے۔

ہول کی گود میں

انہوں نے اپنی زندگی میں بہت کم اتنے خوف ناک
مناظر دیکھے ہوں گے۔ جتنا اس وقت ان کے سامنے تھا۔
ان کے چاروں طرف کے پنجروں اور خیموں کے دروازے اس
وقت کھل چکے تھے اور مختلف قسم کے درندے دروازوں سے
باہر نکل کر بالکل تیار کھڑے تھے؛ گویا صرف اشارا ملنے کے منتظر
تھے۔ ان میں شیر، چیتے، ہاتھی، ریچھ اور شکاری کتے شامل تھے۔
یہ درندے انسان کے لیے حد درجہ خطرناک ہیں۔ وہ بھی اس
صورت میں جب کہ سدھائے ہوں اور سدھانے والوں کے اشارے
بخوبی سمجھتے ہوں؛ گویا وہ اس دائرہ نما جگہ میں درندوں کے
نرغے میں تھے۔ کسی وقت بھی درندوں کو حکم ملنے والا تھا کہ
انہیں چیر پھاڑ کر رکھ دیا جائے۔

"دیکھو انسپکٹر، نظارا دل کو بھاتا ہے" لنگ نے ہنس کر کہا۔
"یہ نہایت اوچھا وار ہے اور میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا

کہ اتنا اونچا وار بھی کیا جا سکتا ہے۔ خیر اتنا تو معلوم ہو گیا کہ دراصل اب تم اس گروہ کے لیڈر ہو۔ سمگلروں کے گروہ نے ایک نیا جنم لیا ہے اور پرانے ساتھیوں کو بھی اپنے جھنڈے تلے جمع کر رہا ہے، بہرحال تم ایک گھٹیا اور بزدل دشمن ہو۔ میں بہادر دشمنوں کو پسند کرتا ہوں جو دلیری سے وار کرتے ہیں۔"

"ہمیں اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ کوئی ہمارے بارے میں کیا رائے قائم کرتا ہے۔ ہم تو بس اتنا جانتے ہیں کہ اس گروہ کو پہلے سے کہیں زیادہ وسیع بنانا ہے، اتنا کہ پوری دنیا میں اس کی کارروائیاں شروع ہو جائیں۔" یہ کہہ کر کنگ ایک ساتھی کی طرف مڑا:

"اپنے ساتھ دو آدمیوں کو لے جاؤ اور ان کے اس ساتھی کو بھی یہیں لے آؤ جو پولیس کو فون کرنے کے لیے باہر جانا چاہتا تھا۔ اب اس کا انجام بھی ان لوگوں کے ساتھ ہی ہونا چاہیے۔"

"او کے سر۔" کنگ کے ارد گرد کھڑے لوگوں میں سے ایک نے کہا۔ یہ وہی گنجا آدمی تھا، جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ روڈا تیز ہے۔

"تو یہ روڈا تیز ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں، نہ جانے وہ کاغذ وہاں کس طرح گر گیا، ورنہ

تمہارے تو فرشتے بھی سرکس کی طرف نہیں آ سکتے تھے۔"

"فرشتوں کی شان میں گستاخی نہ کریں جناب۔" فاروق نے گویا مشورہ دیا۔ کنگ اسے گھور کر رہ گیا۔

"گروہ کے وہ تینوں آدمی ایک شکل صورت کس طرح بنا لیتے ہیں؟" محمود بول اٹھا۔

"میں میک اپ کا بہت بہترین ماہر ہوں۔ کوئی آدمی دیکھ کر جان نہیں سکتا کہ تینوں میک اپ میں ہیں۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے جو کہانی سنائی تھی، وہ ایسی تھی کہ اس پر فوراً یقین آ جائے۔" اس نے جواب دیا۔

"چوریوں کا سلسلہ شروع ہی کیوں کیا گیا؟"

"یہ صرف تم سے انتقام لینے کو کیا گیا، ورنہ میرے پاس سرمائے کی کمی نہیں تھی۔"

"یہ لوگ جیل سے رہا ہوتے ہی تمہارے پاس کس طرح پہنچ گئے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"میرے آدمیوں نے انہیں جیلوں میں جا جا کر پیغام دیا تھا کہ اب شیرازی کی جگہ نئے باس نے لے لی ہے۔ اگر وہ چاہیں تو اس کے پاس جمع ہو سکتے ہیں۔"

"لیکن یہ تین چار آدمی سرکس کے کام میں اتنی جلدی ماہر کس طرح ہو گئے؟"

"یہ اس سے پہلے بھی ایک سرکس میں کام کرتے رہے ہیں — شیرازی گروہ تمام کا تمام اس سرکس میں شامل تھا۔ شیرازی اس گروہ کی کمان کرتا تھا۔ سرکس کا منتظم بھی شیرازی کا ماتحت تھا، لیکن جب تم اس گروہ کے پیچھے لگے تو وہ خود کو سرکس سے دور لے گئے، پھر کسی نے بھی یہ بات ظاہر نہ کی کہ ان کا تعلق سرکس سے بھی ہے۔ ہمارے ملک کو گروہ کی گرفتاری کا پتا چلا تو سرکس کا منتظم مجھے بنا دیا گیا اور میں سرکس کو یہاں سے اکھاڑ کر لے گیا۔ اب پھر یہاں آیا ہوں اور یہی ارادہ لے کر آیا ہوں کہ اس ملک میں سمگلنگ اسی پیمانے پر کی جا سکے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ لہٰذا ان لوگوں کا انتقام پورا ہو رہا ہے۔ تم میں سے کسی کی بوٹی بھی یہ درندے نہیں چھوڑیں گے۔"

ابھی اس کے الفاظ ختم ہوئے تھے کہ روڈا تیز اور دو اور آدمی اکرام کو اٹھائے آتے دکھائی دیے۔ اسے رسیوں سے جکڑ دیا گیا تھا۔ چہرے کا رنگ فق تھا۔ نزدیک آتے ہی انھوں نے اسے اوپر سے ہی نیچے پھینکا اور پھر رسیاں کاٹ دیں۔

"بس، اب تم لوگ پیچھے ہٹ جاؤ۔" کنگ نے کہا۔

"محمود، اپنا چاقو مجھے دو۔" انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی۔

روڈے تیز نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور بولا:

"اس نے کسی سے کچھ مانگا ہے۔"

"تم سب لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دو — پہلے ہم تمھاری تلاشی لیں گے، تاکہ ہمارے سرکس کا کوئی جانور تمھارے ہاتھوں زخمی نہ ہونے پائے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی کنگ کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔ محمود کا ہاتھ جوتے کی ایڑی کی طرف کھسک رہا تھا۔ کنگ کے الفاظ سن کر رک گیا۔ کنگ کے کئی ساتھیوں کے ہاتھوں میں بھی پستول نظر آئے۔ ان کی تعداد اتنی تھی اور وہ اتنی جگہ میں بکھرے تھے کہ ایک دو پستولوں سے وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ان میں سے صرف انسپکٹر جمشید اور خان رحمان کے پاس پستول تھے، چنانچہ دونوں کی جیبوں سے پستول لے لیے گئے۔ اسی وقت ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور نزدیک پہنچ کر بولا:

"سر، پولیس کے چند آفیسرز آئے ہیں۔"

"اچھا، میں انھیں مطمئن کر کے آتا ہوں۔" کنگ نے کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔ اس دوران محمود غیر محسوس طور پر چاقو نکال کر انسپکٹر جمشید کے حوالے کر چکا تھا، لیکن وہ حیران اور پریشان تھے کہ ایک ننھے سے چاقو سے اتنے بہت سے درندوں سے کس طرح مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ درندوں کی تعداد تو ان

سے لگی تھی۔ کئی کئی درندوں کے حصے میں ان میں سے ایک
ایک آیا تھا۔ پروفیسر داؤد، شائستہ اور بیگمات کے رنگ بالکل
سفید نظر آ رہے تھے۔ ان کے بعد حامد، سرور، ناز اور بیگم
شیرازی کی حالت نازک تھی۔ بس وہ چاروں اور خان رحمان
قدرے سنبھلے نظر آتے تھے۔ لنگ کی واپسی پندرہ منٹ بعد
ہوئی اور وہ مسکرا رہا تھا:

"پولیس شیر کی لاش دیکھ کر مطمئن ہو کر واپس چلی گئی
ہے۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ ہمارے ایک ساتھی نے بروقت
شیر کو گولی ماری تھی اور اب تم لوگوں سے انصاف کا وقت
آ پہنچا ہے۔ روڈے، تم سب یہ تماشا دیکھنے کے لیے الگ ہٹ
جاؤ، میں جانوروں کو اشارا کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے ایک ساتھی کے ہاتھ میں سے کوڑا لے لیا۔
اس کے ساتھی ایک طرف ہٹ گئے۔ اب اس نے کوڑا لہرایا۔
ایسے میں انسپکٹر جمشید نے اپنے ہاتھ نیچے گرا دیے، پھر ان کے
ہاتھ بغلوں تک گئے۔ انہوں نے سنا، وہ کہہ رہے تھے:

"میں نے جب سرکس دیکھنے کا پروگرام بنا تو یہ خطرہ
میرے ذہن میں بھی آیا تھا کہ کہیں ہم پر سرکس کے درندے
نہ چھوڑ دیے جائیں۔ اگر میں پولیس کو ساتھ لے کر چھاپا مارتا
تو صرف ان لوگوں کو گرفتار کر سکتا تھا جو ابھی ابھی جیلوں سے

رہا ہوئے ہیں، جب کہ میں یہ بات محسوس کر چکا تھا کہ پورے
کا پورا سرکس ان لوگوں سے تعلق رکھتا ہے، لہذا کسی ایسے
طریقے سے وار کرنا چاہیے تھا کہ یہ لوگ کھلی کتاب کی طرح
ہمارے سامنے آ جائیں، چنانچہ ایسا ہو چکا ہے۔ ہم جان چکے
ہیں، یہ مجرم ہیں۔ اپنے خیال میں اپنا کام مکمل کر چکے ہیں،
اب ہماری زندگیاں ان کے رحم و کرم پر ہیں، لیکن ایسا نہیں
ہے۔ زندگی اور موت صرف اور صرف خدا کے ہاتھ ہے اور
جب تک اسے منظور نہ ہو، کوئی شخص موت کے منہ میں نہیں
جا سکتا۔ گھر سے روانہ ہوتے وقت یہ تمام پہلو میرے سامنے
تھے، پھر یہ کس طرح ممکن تھا کہ میں اپنا بچاؤ کیے بغیر یہاں
آ جاتا۔ میں نے فرزانہ کا خوف زدہ چہرہ دیکھا تھا، اکرام کے
چہرے پر بھی خوف کے آثار دیکھے تھے۔ انہوں نے یہ خطرہ
محسوس کر لیا تھا، یعنی درندوں والا خطرہ۔ خان رحمان، تمہارا
شکریہ کہ تم نے شیر کو گولی مار دی۔ اسے میں بھی گولی مار سکتا
تھا، لیکن اس وقت مقابلہ صرف ایک شیر سے تھا، لہذا میں
اسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے شکست دینا چاہتا تھا۔ خیر
جو ہوا، اچھا ہوا۔ اس سے پہلے یہ الفاظ میں تم لوگوں سے
اس لیے نہیں کہہ سکا کہ روڈے تیز کے کان بہت تیز ہیں۔ وہ
شاید فرزانہ سے بھی تیز کانوں کا مالک ہے، لہذا آپ لوگ ذرا

بھی فکر نہ کریں، یہ درندے ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے۔"
انہوں نے یہ الفاظ دبی آواز میں ادا کیے۔
"ہاں، لیکن کیسے؟" خان رحمان نے سرگوشی کی۔
"کھلونوں کے ذریعے۔۔۔ اس بار محمود، فاروق اور فرزانہ
کے کھلونے میں ساتھ لے کر آیا ہوں۔" انہوں نے بھرپور مسکراہٹ
کے ساتھ کہا۔
"یا اللہ تیرا شکر ہے، ورنہ مجھے تو موت بالکل سامنے نظر آ
رہی تھی۔" فاروق نے پُرسکون آواز میں کہا۔
"لیکن کھلونے ہیں کہاں؟" محمود بولا۔
"میری بغلوں والی خفیہ جیبوں میں۔۔۔ گو ان کی وجہ سے
مجھے کافی تکلیف محسوس ہوتی رہی ہے، لیکن کیا کیا جائے، مجبوری
تھی۔۔۔ اب یہ کھلونے میرے ہاتھوں میں ہیں۔ محمود، فاروق اور
فرزانہ ان کے استعمال سے تم بخوبی واقف ہو، انہیں تم ہی
استعمال کرو گے، میں تو بس ایک چاقو سے کام چلاؤں گا۔۔۔
خان رحمان تم باقی سب کو ایک جگہ جمع رکھو گے۔ ہم چاروں تم
سب کے گرد گھیرا ڈال لیں گے۔" انہوں نے جلدی جلدی کہا۔
پھر غیر محسوس طور پر کھلونے ان کے حوالے کر دیے۔ خان رحمان
باقی سب کو ان کے درمیان لے آئے۔۔۔ ایسے میں انہوں نے
دیکھا، کنگ کا کوڑا آہستہ آہستہ زمین پر لگ رہا تھا۔ اس کے

لگنے سے ایک ہلکی سی دھمک پیدا ہو رہی تھی۔ ہر دھمک کے
ساتھ درندے ایک ایک قدم اٹھا رہے تھے۔۔۔ دائرہ لمحہ بہ لمحہ
چھوٹا ہوتا جا رہا تھا۔۔۔ انہیں یوں لگا، جیسے یہ دھمک کوڑے
کی نہ ہو، بلکہ پرانے زمانے کے کسی نقارے کی ہو۔۔۔ ایسے
نقارے کی جو جنگ شروع ہوتے وقت بجایا جاتا ہے۔ ان
کے کانوں میں باقاعدہ نقارے کی آواز گونجنے لگی، جیسے وہ
کسی میدانِ جنگ میں کھڑے ہوں اور دشمن کی فوج قدم بہ
قدم ان کی طرف بڑھ رہی ہو اور وہ سوچنے لگے، اگر ان کے
پاس پروفیسر داؤد کے کھلونے نہ ہوتے تو اس وقت ان کا کیا
حال ہوتا۔۔۔ کیا ایسے حالات میں بھی فاروق چہک سکتا، محمود
اور فرزانہ اپنی ہمت جوان رکھ سکتے۔۔۔ شاید نہیں، کیونکہ اتنے
جنگلی درندوں کا مقابلہ کرنا اور وہ بھی بغیر کسی ہتھیار کے نا
ممکن تھا۔

درندے نزدیک آتے چلے گئے۔۔۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید بلند
آواز میں بولے:
"مسٹر کنگ، اب بھی وقت ہے۔۔۔ ان درندوں کو پیچھے
ہٹا لو۔۔۔ پنجروں میں بند کر دو اور خود کو قانون کے حوالے کر دو۔
بصورتِ دیگر تمہارا انجام بہت بھیانک ہوگا۔"
"انجام میرا نہیں، تمہارا بھیانک ہونے والا ہے۔" کنگ نے

بلند آواز میں کہا۔

"اچھی بات ہے، ابھی دیکھ ہی لوگے" انہوں نے کہا، پھر دبی آواز میں بولے:

"جونہی درندے تمہارے کھلونوں کی رینج میں آئیں، ان کا استعمال شروع کر دینا اور ہاں، سب کے سب زمین پر لیٹ جانا، اپنے درندوں کا انجام دیکھ کر کنگ اور اس کے آدمی بھی ہم پر فائرنگ کریں گے — محمود، فاروق اور فرزانہ، ایسے میں تمہارا فرض ہوگا کہ اپنے کھلونوں کا رخ ان کی طرف پھیر دو اور جدھر زیادہ خطرہ دیکھو، ادھر ہی مڑ جاؤ۔"

"آپ فکر نہ کریں ابا جان" محمود بولا۔

اس وقت اگر یہ نظارا شہر کے لوگ دیکھ رہے ہوتے تو شاید ان کے حواس جواب دے جاتے، وہ بھاگ کھڑے ہوتے اور ایک ایسی بھگدڑ مچتی، جس میں بے شمار لوگ کچلے جاتے، لیکن یہ لوگ پرسکون انداز میں کھڑے تھے اور خدا کو یاد کر رہے تھے۔ آخر درندے رینج میں آگئے — فاروق اور فرزانہ نے فوراً خود کو گرا دیا — ساتھ ہی باقی لوگ بھی لیٹ گئے — انہوں نے ایک ساتھ کھلونوں کے بٹن دبائے اور انہیں حرکت دی — فاروق کے بال پوائنٹ میں سے آنکھوں کو چندھیا دینے والی شعاع نکل کر چکر کاٹ گئی — درندوں اور دشمنوں کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہوگئی

اور انہوں نے یوں محسوس کیا، جیسے وہ اندھے ہوگئے ہوں۔ درندوں کی چیخیں دلدوز تھیں — ادھر فرزانہ کے لاکٹ کی سوئی دبی تو جانوروں کے پیروں تلے دھماکے ہونے شروع ہوگئے — دھماکوں کا یہ سلسلہ کنگ اور اس کے ساتھیوں تک جا پہنچا۔ محمود اپنی انگوٹھی کو صرف اس وقت کام میں لا سکتا تھا، جب کوئی درندہ یا دشمن اس کے نزدیک پہنچ جائے، لیکن ان سب کو تو فاروق اور فرزانہ کے بال پوائنٹ اور لاکٹ ہی کافی ثابت ہو رہے تھے۔ درندے کچھ ایسی بے ترتیبی سے پیچھے ہٹے کہ طوفان سا مچ گیا۔ کنگ اور اس کے ساتھی آنکھوں کو پکڑ کر بیٹھ گئے — ایسے میں خان رحمان اور انسپکٹر جمشید حرکت میں آئے اور ان کے پاس پہنچ گئے — انہوں نے ان کی جیبوں سے پستول نکال لیے اور واپس اپنے ساتھیوں تک آگئے — اتنی دیر میں کھلونے پھر وار کرنے کے قابل ہو گئے تھے، لیکن انہوں نے بے زبان جانوروں کو ہلاک کرنا مناسب خیال نہیں کیا — یہی بہت تھا کہ وہ وقتی طور پر اندھے ہوگئے تھے اور ان پر حملہ کرنے کے قابل نہیں رہے تھے —

"اکرام، یہ پستول لے لو اور تیر کی طرح نکل جاؤ، اگر کوئی تمہارا راستہ روکنے کی کوشش کرے تو بے دریغ فائر کر دینا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"جی بہتر" — اس نے کہا اور پستول ہاتھ میں لے کر نکلا چلا گیا — وہ چوکس چاروں طرف دیکھتے رہے۔ جونہی کسی طرف سے حرکت کے آثار نظر آتے، ان کے کھلونے حرکت میں آ جاتے۔ جانوروں کو تو اب اپنی پڑی ہوئی تھی اور ان میں سے اکثر اپنے پنجروں میں گھس گئے تھے — کچھ کو پنجرے نظر ہی نہیں آ سکے تھے اور وہ ادھر ادھر سر ٹکراتے پھر رہے تھے — کنگ اور اس کے ساتھی اب نہتے تھے، ان کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے قابل نہیں تھے — ان کے کچھ ساتھی دروازوں پر نگرانی وغیرہ کرنے والے یا تو بھاگ کھڑے ہوئے تھے — یا ادھر ادھر چھپ گئے تھے — جانوروں کی چیخ دھاڑ نے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ سرکس اگر شہر کی آبادی سے ہٹ کر نہ لگایا گیا ہوتا تو اس وقت شاید سارا شہر اس کے ارد گرد امڈ پڑتا —

آخر خدا خدا کرکے اکرام پولیس کو لے کر پہنچ گیا — ان سب کو گرفتار کر لیا گیا — درندوں کو پنجروں میں بند کر دیا گیا اور فیصلہ یہ کیا گیا کہ انہیں چڑیا گھر بھیج دیا جائے —

رخصت کے وقت فاروق نے کہا:

"اس کیس کا سہرا تو صرف پروفیسر انکل کے سر رہا۔ اگر ان کے کھلونے نہ ہوتے تو ہم تو مارے گئے تھے بے موت — ویسے آج تک یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ کوئی شخص بے موت

کس طرح مارا جا سکتا ہے — ابا جان، کیا خیال ہے آپ کا؟"

"ہاں بھئی، تم ٹھیک کہتے ہو — بے موت تو واقعی کوئی بھی نہیں مارا جا سکتا۔"

"تو پھر محاورہ یہ ہوا نا، ہم تو مارے گئے تھے با موت۔"

اور وہ مسکرانے لگے —

آئندہ ناول کی ایک جھلک :

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۹۵

خول در خول

مصنف : اشتیاق احمد

- محمود کو اچانک خطرے کا احساس ہوا۔
- فضا میں ایک ہولناک چیخ گونجی — مڑ کر دیکھا تو ایک بھیانک منظر سامنے تھا۔
- ان کے لیے تین ڈرم تیار رکھے تھے۔
- دشمن کیا چاہتے تھے — شروع سے آخر تک یہ سوال انہیں پریشان کرتا رہا —

ایک حیرت انگیز ناول —

قیمت : چھ روپے صرف

آئندہ ناول کی ایک جھلک :

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۹۶

سوزانی درندہ

مصنف : اشتیاق احمد

- دو آدمیوں کی ایک پراسرار ملاقات —
- ایک خوفناک منصوبہ — جس کا معاوضہ بھی عجیب تھا۔
- ایک نواب کی کمائی، جس کی جان کا دشمن سوزانی درندہ تھا —
- مجرم کی تلاش میں محمود، فاروق اور فرزانہ نے کیا کیا پاپڑ بیلے — پڑھیے اور مسکرائیے۔

قیمت : چھ روپے صرف

آئندہ ناول کی ایک جھلک :

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز نمبر ۳۰

مظلوم قاتل

مصنف : اشتیاق احمد

- ایک شخص نوٹ بک پر ایک عجیب و غریب نوٹ لکھ رہا تھا۔
- وہ ایک تھرا دینے والی تحریر تھی۔
- اس کا منصوبہ کس قدر بھیانک تھا، آپ اندازہ نہیں لگا سکتے۔
- انسپکٹر کامران مرزا، آفتاب، آصف اور فرحت یہ بھی نہیں پا سکے تھے کہ مجرم کا مقصد کیا ہے۔
- اور جب مقصد سامنے آیا تو .....؟

ایک خونی ناول!

قیمت : چھ روپے صرف

آئندہ ناول کی ایک جھلک :

شوکی سیریز ۱۱

انصاف کا خون

مصنف : اشتیاق احمد

- مرتے ہوئے ایک شخص نے انہیں بلایا تھا۔
- وہ ان سے کیا چاہتا تھا؟
- اس مرتبہ شوکی برادران کو قدم قدم پر زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا۔
- سونے پر سہاگا یہ کہ وہ ان دنوں تنگ دستی کا شکار بھی تھے، لیکن کیوں؟

یہ تو آپ انصاف کا خون پڑھنے پر ہی جان سکیں گے۔

قیمت : چھ روپے صرف

اشتیاق احمد کی زندگی کا دوسرا ناول

آستین کا سانپ

- یہ ناول دس سال پہلے لکھا گیا تھا۔
- فیروز سنز جیسے معروف ادارے سے شائع ہوا۔
- اشتیاق احمد کا اس سے پہلے صرف ایک ناول پیکٹ کا راز شائع ہوا تھا۔
- اب جب کہ دس سال گزر چکے ہیں تو قانون کی رو سے اس کے حقوق اشاعت اشتیاق احمد کو مل گئے ہیں، لہذا اب یہ شاہکار ناول

ادارہ اشتیاق پبلکیشنز سے شائع ہو رہا ہے

۱۰ دسمبر کے شوکی سیریز کے ساتھ پڑھیے۔

قیمت : ۵/۵۰

اشتہار

شوکی سیریز کا

پہلا

خاص نمبر

۲۰، دسمبر کو شائع ہو رہا ہے!

ناول کی جھلکیاں اور انعامات کی تفصیل آئندہ ناولوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

اشتیاق پبلی کیشنز، راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

ساتواں عظیم الشان خاص نمبر

سلاٹر کی واپسی

۲۰ دسمبر کو شائع ہو رہا ہے

جھلکیاں اور انعامات کی تفصیلات آئندہ ناولوں میں ملاحظہ فرمائیں!

آپ میں سے اکثر منگوا چکے اور جو رہتے ہیں وہ اِدھر اُدھر منگوا رہے ہیں — آپ یہ بھی ملاحظہ فرما چکے کہ کون کون سے ناول آپ نے ابھی تک نہیں پڑھے — اب اگر وہ ناول آپ کو اپنے شہر کے بک سٹالوں سے نہیں مل رہے تو آپ ہم سے براہ راست بھی منگوا سکتے ہیں — یا پھر اپنے بک سٹال والوں سے تقاضا کریں کہ وہ آپ کو یہ ناول منگوا دیں —

براہ راست منگوانے کے لیے آپ قیمت کا اندازہ لگا کر رقم منی آرڈر کر دیں اور منی آرڈر کے بچنے حصے پر ناولوں کے نام ضرور لکھ دیں — ادارہ آپ کو ۵۰ پیسے فی کتاب کی رعایت بھی دے گا — شکریہ —

مکتبہ اشتیاق راجپوت مارکیٹ اردو بازار، لاہور